واردات

از

منشی پریم چند

شت پبلشنگ ہاؤس

لسے ہسپتال روڈ۔ انارکلی لاہور

محمد یعقوب خان مالک عشرت پبلشنگ ہاؤس
ہسپتال روڈ۔ انارکلی۔ لاہور
نے
لاہور آرٹ پریس لاہور سے طبع کرا کر شائع کیا۔

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	شکوہ شکایت	۵
۲	معصوم بچہ	۱۹
۳	بدنصیب ماں	۲۹
۴	شانتی	۴۷
۵	روشنی	۶۳
۶	مالکن	۷۳
۷	نئی بیوی	۹۱
۸	گلی ڈنڈا	۱۰۹
۹	سوانگ	۱۲۹
۱۰	انصاف کی پولیس	۱۴۳
۱۱	غم نداری بز بخر	۱۴۷
۱۲	مفت کرم داشتن	۱۶۱
۱۳	قاتل کی ماں	۱۶۸

منشی پریم چند

پریم چند کا اصلی نام دھنپت رائے ہے۔ پریم چند کے ادبی نام سے مشہور ہیں۔ سات برس کی عمر میں ماں کا، اور پندرہ برس کی عمر میں والد منشی عجائب لال کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ بنارس کالجیٹ سکول سے میٹرک پاس کیا۔ اور محکمۂ تعلیم میں ملازمت کر لی۔ ان کی ادبی زندگی ۱۹۰۱ء میں شروع ہوئی۔ جب کہ اُنہوں نے رسالہ "زمانہ" کانپور میں مضامین لکھنے شروع کئے۔ ۱۹۰۴ء میں ہندی ناول "پریما" لکھا۔ ۱۹۱۲ء میں "جلوۂ ایثار"، ۱۹۱۸ء میں "بازارِ حُسن" تصنیف کیا۔ زبان ہندی میں کئی ناول لکھے۔ آپ کا "تاریخی ڈرامہ کربلا" بہت مشہور ہے۔

منشی پریم چند مختصر افسانے لکھنے میں بھی بے حد مہارت رکھتے تھے۔ ان کی تحریر کا کمال یہ ہے کہ مبالغے سے بالکل کام نہیں لیتے اور نہ حق اور سچائی سے انحراف کرتے ہیں۔ طبیعت میں بے حد آمد اور زور ہے۔ جذبات انسانی کے پورے ماہر ہیں۔ تحریروں میں کہیں درد ہے تو کہیں مزاح۔ "پریم پچیسی"۔ "پریم بتیسی"۔ "خواب و خیال"۔ "فردوس خیال" بھی آپ ہی کی تصانیف ہیں۔

شکوہ شکایت

زندگی کا بڑا حصہ تو اسی گھر میں گذر گیا۔ مگر کبھی آرام نہ نصیب ہوا۔ میرے شوہر دنیا کی نگاہ میں بڑے نیک اور خوش خلق اور فیاض اور بیدار مغز ہوں گے لیکن جس پر گذرتی ہے وہی جانتا ہے۔ دنیا کو تو ان لوگوں کی تعریف میں مزہ آتا ہے جو اپنے گھر کو جہنم میں ڈال رہے ہوں اور غیروں کے پیچھے اپنے آپ کو تباہ کئے جاتے ہوں۔ جو گھر والوں کے لئے مرتا ہے۔ اس کی تعریف دنیا والے نہیں کرتے۔ وہ تو ان کی نگاہ میں خود غرض ہے۔ بخیل ہے، تنگ دل ہے۔ مغرور ہے، کور باطن ہے اسی طرح جو لوگ باہر والوں کے لئے مرتے ہیں۔ ان کی تعریف گھر والے کیوں کرنے لگے۔ اب انہی کو دیکھو صبح سے شام تک مجھے پریشان کیا کرتے ہیں۔ باہر سے کوئی چیز منگواؤ۔ تو ایسی دکان سے لائیں گے۔ جہاں کوئی گاہک بھول کر بھی نہ جاتا ہو۔ ایسی دکانوں پر نہ چیز اچھی ملتی ہے۔ نہ وزن ٹھیک ہوتا ہے۔ نہ دام ہی مناسب یہ نقائص نہ ہوتے۔ تو وہ دکان ہی کیوں ہوتی۔ انہیں ایسی ہی دکانوں سے سودا سلف خریدنے کا مرض ہے۔ بارہا کہا کہ کسی چلتی ہوئی دکان سے چیزیں لایا کرو۔ وہاں مال زیادہ کھپتا ہے۔ اس لئے تازہ مال آتا رہتا ہے۔ مگر نہیں۔ ٹٹپونجیوں سے ان کی ہمدردی ہے اور وہ انہیں الٹے استرے سے مونڈتے ہیں۔ گیہوں لائیں گے۔ تو سارے بازار سے خراب، گھنا ہوا چاول ایسا موٹا کہ بیل بھی نہ پوچھے۔ دال میں کنکر بھرے ہوئے، منوں لکڑی جلا ڈالو، کیا مجال کہ گلے۔ گھی لائیں گے تو آدھوں آدھ تیل اور نرخ اصلی گھی سے ایک چھٹانک کم۔ تیل لائیں گے تو ملاوٹ کا بالوں میں ڈالو، تو چکٹ جائیں۔ مگر دام دے آئیں گے اعلیٰ درجے کے چنبیلی کے تیل کے۔ چلتی ہوئی دکان

پر جاتے تو جیسے انہیں ڈر لگتا ہے۔ شاید اونچی دکان اور پھیکے پکوان کے قائل ہیں۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ نیچی دکان پر سڑے پکوان ہی ملتے ہیں۔

ایک دن کی بات ہو تو برداشت کر لی جائے۔ روز روز کی یہ مصیبت نہیں برداشت ہوتی۔ میں کہتی ہوں۔ آخر ٹٹپونجیوں کی دکان پر جاتے ہی کیوں ہیں۔ کیا ان کی پرورش کا ٹھیکہ تمہیں نے لے لیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں سب مجھے دیکھ کر بلانے لگتے ہیں۔ خوب! ذرا انہیں بلا لیا اور خوشامد کے دو چار الفاظ سنا دیئے بس آپ کا مزاج آسمان پر جا پہنچا۔ پھر انہیں سدھ نہیں رہتی۔ کہ وہ کوڑا کرکٹ باندھ رہا ہے یا کیا۔ پوچھتی ہوں تم اس راستے سے جاتے ہی کیوں ہو۔ کیوں کسی دوسرے راستے سے نہیں جاتے؟ ایسے اٹھائی گیروں کو منہ ہی کیوں لگاتے ہو؟ اس کا کوئی جواب نہیں۔ ایک خموشی سو بلاؤں کو ٹالتی ہے۔

ایک بار ایک زیور بنوانا تھا۔ میں تو حضرت کو جانتی تھی۔ ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ ایک پہچان کے سنار کو بلا رہی تھی اتفاق سے آپ بھی موجود تھے۔ بولے یہ فرقہ بالکل اعتبار کے قابل نہیں، دھوکا کھاؤ گی میں ایک سنار کو جانتا ہوں۔ میرے ساتھ کا پڑھا ہوا ہے۔ برسوں ساتھ ساتھ کھیلے ہیں۔ میرے ساتھ چال بازی نہیں کر سکتا۔ میں نے سمجھا۔ جب ان کا دوست ہے، اور وہ بھی بچپن کا۔ تو کہاں تک دوستی کا حق نہ نبھائے گا۔ سونے کا ایک زیور اور پچاس روپے ان کے حوالے کئے اور اس بھلے آدمی نے وہ چیز اور روپے نہ جانے کس بے ایمان کو دے دیئے کہ برسوں کے پیہم تقاضوں کے بعد جب چیز بن کر آئی تو روپے میں آٹھ آنے تانبا، اور اتنی بدنما کہ دیکھ کر گھن آتی تھی۔ برسوں کا ارمان خاک میں مل گیا رو پیٹ کر بیٹھ رہی۔ ایسے ایسے وفادار تو ان کے دوست ہیں۔ جنہیں دوست کی گردن پر چھری پھیرنے میں بھی عار نہیں۔ ان کی دوستی بھی انہیں لوگوں سے ہے جو زمانہ بھر کے

فاقہ مست، قلاپنچ، بے سروسامان ہیں۔ جن کا پیشہ ہی ان جیسے آنکھ کے اندھوں سے دوستی کرنا ہے۔ روز ایک نہ ایک صاحب مانگنے کے لئے سر پر سوار رہتے ہیں اور بلا لئے گلا نہیں چھوڑتے مگر ایسا کبھی نہ ہوا کہ کسی نے روپے ادا کئے ہوں۔ آدمی ایک بار کھو کر سیکھتا ہے، دو بار کھو کر سیکھتا ہے یہ بھلے مانس ہزار بار کھو کر بھی نہیں سیکھتے۔ جب کہتی ہوں روپے تو دے آئے، اب مانگ کیوں نہیں لاتے کیا مر گئے تمہارے وہ دوست، تو بغلیں جھانک کر رہ جاتے ہیں۔ آپ سے دوستوں کو سوکھا جواب نہیں دیا جاتا۔ خیر سوکھا جواب نہ دو۔ میں بھی نہیں کہتی کہ دوستوں سے بے مروتی کرو۔ مگر ٹال تو سکتے ہو۔ کیا بہانے نہیں بنا سکتے ہو مگر آپ انکار نہیں کر سکتے کسی دوست نے کچھ طلب کیا اور آپ کے سر پر بوجھ پڑا۔ بیچارے کیسے انکار کریں۔ آخر لوگ جان جائیں گے کہ یہ حضرت بھی فاقہ مست ہیں۔ دنیا انہیں امیر سمجھتی رہے۔ چاہے میرے زیور ہی کیوں نہ گروی رکھنے پڑیں۔ سچ کہتی ہوں بعض اوقات ایک ایک پیسے کی تنگی ہو جاتی ہے اور اس بھلے آدمی کو روپے جیسے گھر میں کاٹتے ہیں۔ جب تک روپیوں کے وارے نیارے نہ کر لے اسے کسی پہلو قرار نہیں۔ اُن کے کرتوت کہاں تک کہوں میری تو ناک میں دم آگیا۔ ایک نہ ایک مہمان روز بلائے بے درماں کی طرح سر پر سوار نہ جانے کہاں کے بلے نکرے ان کے دوست ہیں کوئی کہیں سے آکر مرتا ہے۔ کوئی کہیں سے گھر کیا ہے۔ اپاہجوں کا اڈا ہے ذرا سا تو گھر مشکل سے دو چار پائیاں اوڑھنا بچھونا بھی بافراط نہیں۔ مگر آپ ہیں کہ دوستوں کو دعوت دینے کے لئے تیار آپ تو مہمان کے ساتھ لیٹیں گے۔ اس لئے انہیں چارپائی بھی چاہیئے اوڑھنا بچھونا بھی چاہیئے ورنہ گھر کا پردہ کھل جائے۔ جاتی ہے تو میرے اور بچوں کے سرزمین پر پڑے سکڑ کر رات کاٹتے ہیں۔ گرمیوں میں تو خیر مضائقہ نہیں۔ لیکن جاڑوں میں تو بس قیامت ہی آجاتی ہے۔ گرمیوں میں بھی کھلی چھت پر تو مہمانوں کا قبضہ ہو جاتا ہے اب میں بچوں کو لئے قفس میں پڑی

تڑپا کروں اتنی سمجھ بھی۔ کہ جب گھر کی یہ حالت ہے تو کیوں ایسوں کو مہمان بنائیں جن کے پاس کپڑے تک نہیں خدا کے فضل سے ان کے سبھی دوست ایسے ہی ہیں ایک بھی خدا کا بندہ ایسا نہیں جو ضرورت کے وقت ان کی دھیلے سے بھی مدد کر سکے۔ دو ایک بار حضرت کو اس کا تجربہ اور بہت تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ مگر اس مرد خدا نے تو آنکھیں کھولنے کی قسم کھائی ہے۔ ایسے ہی ناداروں سے ان کی پٹتی ہے۔ ایسے ایسے لوگوں سے آپ کی دوستی ہے کہ کہتے شرم آتی ہے۔ جسے کوئی اپنے دروازے پر کھڑا بھی نہ ہونے دے۔ وہ آپ کا دوست ہے۔ شہر میں اتنے امیر کبیر ہیں۔ آپ کا کسی سے بھی ربط ضبط نہیں۔ کسی کے پاس نہیں جاتے امراء مغرور ہیں، بدمغز ہیں، خوشامد پسند ہیں۔ ان کے پاس کیسے جائیں دوستی گانٹھیں گے ایسوں سے جن کے گھر میں کھانے کو بھی نہیں۔

ایک بار پہلا خدمت گار چلا گیا اور کئی دن دوسرا خدمت گار نہ ملا۔ میں کسی ہوشیار اور سلیقہ مند نوکر کی تلاش میں تھی۔ مگر بابو صاحب کو جلد سے جلد کوئی آدمی رکھ لینے کی فکر سوار ہوئی۔ گھر کے سارے کام بدستور چل رہے تھے۔ مگر آپ کو معلوم ہو رہا تھا کہ گاڑی رکی ہوئی ہے۔ ایک دن نہ جانے کہاں سے ایک بانگڑو کو پکڑ لائے۔ اس کی صورت کہے دیتی تھی۔ کہ کوئی جانگلو ہے۔ مگر آپ نے اس کی ایسی ایسی تعریفیں کیں کہ کیا کہوں۔ بڑا فرماں بردار ہے۔ پرلے سرے کا ایمان دار، بلا کا محنتی۔ غضب کا سلیقہ شعار اور انتہا درجہ کا باتمیز ہے خیر میں نے رکھ لیا! میں بار بار کیوں کر ان کی باتوں میں آجاتی ہوں۔ مجھے خود تعجب ہے۔ یہ آدمی صرف شکل سے آدمی تھا آدمیت کی کوئی علامت اس میں نہ تھی کسی کام کی تمیز نہیں تھی بے ایمان نہ تھا مگر احمق اول نمبر کا۔ بے ایمان ہوتا تو کم سے کم اتنی تسکین ہوتی کہ خود کھاتا ہے کمبخت دکان داروں کی فطرتوں کا شکار ہو جاتا تھا۔ اسے دس تک گنتی بھی نہ آتی تھی۔ ایک روپیہ دے کر بازار بھیجو تو شام تک حساب نہ سمجھا سکے غصہ پی پی کر رہ جاتی تھی خون جوش کھانے لگتا تھا کہ سور کے کان اکھاڑ لوں مگر ان حضرت کو کبھی اسے کچھ کہتے نہیں دیکھا۔ آپ نہا کر دھوتی چھانٹ

رہے ہیں اور وہ بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہے۔ میرا خون کھولنے لگتا لیکن انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ جب میرے ڈانٹنے پر دھوتی جھاڑنے جاتا بھی۔ تو آپ اُسے قریب نہ آنے دیتے۔ اس کے عیبوں کو ہنر بنا کر دکھایا کرتے تھے اور اس کوشش میں کامیاب نہ ہوتے تو ان عیوب پر پردہ ڈال دیتے تھے کمبخت کو جھاڑو دینے کی بھی تمیز نہ تھی مردانہ کمرہ ہی تو سارے گھر میں ڈھنگ کا ایک کمرہ ہے۔ اس میں جھاڑو دیتا تو اِدھر کی چیز اُدھر، اُوپر کی نیچے گویا سارے کمرے میں زلزلہ آ گیا ہو اور گرد کا یہ عالم کہ سانس لینی مشکل مگر آپ کمرے میں اطمینان سے بیٹھے رہتے۔ گویا کوئی بات ہی نہیں۔ ایک دن میں نے اُسے خوب ڈانٹا اور کہہ دیا: اگر کل سے تو نے سلیقے سے جھاڑو نہ دی تو کھڑے کھڑے نکال دوں گی" سویرے سو کر اٹھی تو دیکھتی ہوں۔ کمرے میں جھاڑو دی ہوئی ہے ہر ایک چیز قرینے سے رکھی ہے گرد و غبار کا کہیں نام نہیں۔ آپ نے فوراً ہنس کر کہا،" دیکھتی کیا ہو آج گھورے نے بڑے سویرے جھاڑو دی ہے میں نے سمجھا دیا۔ تم طریقہ تو بتاتی نہیں ہو الٹی ڈانٹنے لگتی ہو" لیجئے صاحب یہ بھی میری ہی خطا تھی۔ خیر میں نے سمجھا اس نالائق نے کم سے کم ایک کام تو سلیقے کے ساتھ کیا۔ اب روز کمرہ صاف ستھرا ملتا۔ اور میری نگاہوں میں گھورے کی کچھ وقعت ہونے لگی۔ اتفاق کی بات ایک دن میں ذرا معمول سے سویرے اٹھ بیٹھی۔ اور کمرے میں آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ گھورے دروازے پر کھڑا ہے۔ اور خود مابدولت بڑی تن دہی سے جھاڑو دے رہے ہیں۔ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ ان کے ہاتھ سے جھاڑو چھین لی اور گھورے کے سر پر پٹک دی۔ حرام خور کو اسی وقت دھتکار بتائی۔ آپ فرمانے لگے اس کی تنخواہ تو بیباق کر دو۔ خوب ایک تو کام نہ کرے دوسرے آنکھیں دکھائے اس پر تنخواہ بھی دے دوں میں نے ایک کوڑی بھی نہ دی۔ ایک کرتا دیا تھا۔ وہ بھی چھین لیا۔ اس پر حضرت کئی دن مجھ سے روٹھے رہے۔ گھر چھوڑ کر بھاگے جا رہے تھے۔ بڑی مشکلوں سے رُکے!

ایک دن مہتر نے اتارے کپڑوں کا سوال کیا۔ اس بیکاری کے زمانے میں فالتو کپڑے

کس کے گھر میں ہیں۔ شائد رئیسوں کے گھر میں ہوں۔ میرے یہاں تو ضروری کپڑے بھی کافی نہیں حضرت ہی کا توشہ خانہ ایک بقچی میں آجائے گا جو ڈاک کے پارسل سے کہیں بھیجا جا سکتا ہے پھر اس سال کی سردی کے موسم میں نئے کپڑے بنوانے کی نوبت بھی نہ آتی تھی میں نے مہتر کو صاف جواب دے دیا سردی شدت کی تھی اس کا مجھے خود احساس تھا غریبوں پر کیا گزرتی ہے اس کا بھی علم تھا۔ لیکن میرے یا آپ کے پاس اس کا افسوس کرنے کے سوا اور کیا علاج ہے جب رؤسا اور امراء کے پاس ایک ایک مال گاڑی کپڑوں سے بھری ہوئی ہے۔ تو پھر غربا کیوں نہ برہنگی کا عذاب جھیلیں خیر میں نے تو اسے جواب دیدیا آپ نے کیا کیا اپنا کوٹ اتار کر اس کے حوالے کر دیا میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ حضرت کے پاس یہی ایک کوٹ تھا۔ یہ خیال نہ ہوا کہ پہنیں گے کیا مہتر نے سلام کیا دعائیں دیں اور اپنی راہ لی۔ آخر کئی دن سردی کھاتے رہے صبح کو گھومنے جایا کرتے تھے وہ سلسلہ بند ہو گیا مگر دل بھی قدرت نے انہیں ایک عجیب قسم کا دیا ہے پھٹے پرانے کپڑے پہنتے آپ کو شرم نہیں آتی میں تو کٹ جاتی ہوں آپ کو مطلق احساس نہیں کوئی ہنستا ہے۔ تو ہنسے آپ کی بلا سے آخر مجھ سے نہ دیکھا گیا۔ تو ایک کوٹ بنوا دیا۔ جی تو جلتا تھا خوب سردی کھانے دوں مگر ڈری کہ کہیں بیمار نہ پڑ جائیں تو اور بھی آفت آجائے آخر کام تو انہی کو کرنا ہے۔

یہ اپنے دل میں سمجھتے ہوں گے۔ میں کتنا نیک نفس اور منکسر مزاج ہوں شاید انہیں ان اوصاف پر ناز ہو۔ میں انہیں نیک نفس نہیں سمجھتی ہوں یہ سادہ لوحی ہے۔ سیدھی سادی حماقت جس مہتر کو آپ نے اپنا کوٹ دیا اسی کو میں نے کئی بار رات شراب کے نشے میں بدمست جھومتے دیکھا ہے۔ اور آپ کو دکھا بھی دیا ہے۔ تو پھر دوسرے کی کجروی کا تاوان ہم کیوں دیں اگر آپ نیک نفس اور فیاض ہوتے تو گھر والوں سے بھی تو فیاضانہ برتاؤ کرتے یا ساری فیاضی باہر والوں کے لئے ہی مخصوص ہے گھر والوں کو اس

کا عشر عشیر بھی نہ ملنا چاہیئے۔ اتنی عمر گذر گئی۔ مگر اس شخص نے کبھی بھی میرے لئے ایک سوغات نہیں خریدی بے شک جو چیز طلب کروں اسے بازار سے لانے میں انہیں کلام نہیں مطلق عذر نہیں۔ مگر روپیہ بھی دے دوں یہ شرط ہے انہیں خود کبھی توفیق نہیں ہوتی۔ یہ میں مانتی ہوں کہ بچارے اپنے لئے بھی کچھ نہیں لاتے۔ میں جو کچھ منگوا دوں اسی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ مگر آخر انسان کبھی کبھی شوق کی چیزیں چاہتا ہی ہے اور مردوں کو دیکھتی ہوں۔ گھر میں عورت کے لئے طرح طرح کے زیور، کپڑے، شوق سنگار کے لوازمات لاتے رہتے ہیں۔ یہاں یہ رسم ممنوع ہے بچوں کے لئے بھی مٹھائی کھلونے باجے، بگل شاید اپنی زندگی میں ایک بار بھی نہ لائے ہوں۔ قسم سی کھالی ہے اسلئے میں تو انہیں بخیل کہوں گی۔ بدذوق کہوں گی مردہ دل کہوں گی۔ فیاض نہیں کہہ سکتی دوسروں کے ساتھ جوان کا فیاضانہ سلوک ہے اسے میں حرص و نمود اور سادہ لوحی پر محمول کرتی ہوں آپ کی منکسر مزاجی کا یہ حال ہے کہ جس دفتر میں آپ ملازم ہیں۔ اس کے کسی عہدہ دار سے آپ کا میل جول نہیں۔ افسروں کو سلام کرنا تو آپکے آئین کے خلاف ہے۔ نذر یا ڈالی تو دور کی بات ہے اور تو کبھی کسی افسر کے گھر جاتے ہی نہیں اس کا خمیازہ آپ نہ اٹھائیں تو کون اٹھائے اوروں کو رعایتی چھٹیاں ملتی ہیں آپ کی تنخواہ کٹتی ہے اوروں کی ترقیاں ہوتی ہیں آپ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں حاضری میں پانچ منٹ بھی دیر ہو جائے تو جواب طلب ہو جاتا ہے بیچارے جی توڑ کر کام کرتے ہیں۔ کوئی پیچیدہ مشکل کام آجائے تو انہیں کے سر منڈھا جاتا ہے۔ انہیں مطلق عذر نہیں۔ دفتر میں انہیں گھسو اور پسو وغیرہ خطابات ملے ہوئے ہیں۔ مگر منزل کتنی ہی دشوار طے کریں۔ ان کی تقدیر میں وہی سوکھی گھاس لکھی ہے یہ انکسار نہیں ہے میں تو اسے زمانہ شناسی کا فقدان کہتی ہوں آخر کیوں کوئی شخص آپ سے خوش ہو دنیا میں مروت اور روا داری سے کام چلتا ہے۔ اگر ہم کسی سے کھنچے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہم سے نہ کھنچا رہے۔ پھر جب دل میں کبیدگی ہوتی ہے وہ دفتری تعلقات میں بھی ظاہر ہو جاتی ہے جو ماتحت افسر

کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے جس کی ذات سے افسر کو کوئی ذاتی فائدہ پہنچتا ہے۔ جس پر اعتبار ہوتا ہے اس کا لحاظ وہ لازمی طور پر کرتا ہے۔ ایسے بے غرضوں سے کیوں کسی کو ہمدردی ہونے لگی۔ افسر بھی انسان ہیں ان کے دل میں جو اعزاز و امتیاز کی ہوس ہے وہ کہاں پوری ہو جب ان کے ماتحت ہی فرنٹ رہیں۔ آپ نے جہاں ملازمت کی وہیں سے نکالے گئے۔ کبھی کسی دفتر میں سال دو سال سے زیادہ نہ چلے۔ یا تو افسروں سے لڑ گئے یا کام کی کثرت کی شکایت کر بیٹھے۔

آپ کو کنبہ پروری کا دعویٰ ہے۔ آپ کے کئی بھتیجے ہیں وہ کبھی آپ کی بات بھی نہیں پوچھتے۔ مگر آپ برابر ان کا منہ تاکتے رہتے ہیں۔ ان کے ایک بھائی صاحب آجکل تحصیلدار ہیں گھر کی جائیداد انہیں کی نگرانی میں ہے وہ شان سے رہتے ہیں موٹر خرید لی ہے کئی نوکر ہیں مگر یہاں بھولے سے بھی خط نہیں لکھتے ایک بار ہمیں روپے کی سخت ضرورت ہوئی میں نے کہا اپنے برادر مکرم سے کیوں نہیں مانگتے۔ کہنے لگے کیوں انہیں پریشان کروں آخر انہیں بھی تو اپنا خرچ کرنا ہے کون سی ایسی بچت ہو جاتی ہو گی میں نے بہت مجبور کیا۔ تو آپ نے خط لکھا معلوم نہیں۔ خط میں کیا لکھا۔ لیکن روپے نہ آنے تھے۔ نہ آئے کئی دنوں کے بعد میں نے پوچھا کچھ جواب آیا؟ حضور کے بھائی۔ صاحب کے دربار سے؟ آپ نے ترش ہو کر کہا۔ ابھی ایک ہفتہ تو خط پہنچے ہوا ہے ابھی کیا جواب آسکتا ہے؟ ایک ہفتہ گذر ا ایسا آپ کا چال ہے کہ مجھے کوئی بات کرنے کا موقع ہی نہیں عطا فرماتے، اتنے بشاش نظر آتے ہیں کہ کیا کہوں باہر سے آتے ہیں تو خوش خوش۔ کوئی نہ کوئی شگوفہ لئے ہوئے میری خوشامد بھی خوب ہو رہی ہے میرے میکے والوں کی تعریف بھی ہو رہی ہے۔ میں حضرت کی چال سمجھ رہی تھی یہ ساری دلجوئیاں محض اس لئے تھیں کہ آپ کے برادر مکرم کے متعلق کچھ پوچھ نہ بیٹھوں۔ سارے ملکی، مالی، اخلاقی، تمدنی مسائل میرے سامنے بیان کئے جاتے تھے۔ اتنی تفصیل اور شرح کے ساتھ کہ پروفیسر بھی دنگ رہ جائے محض اس لئے کہ مجھے اس امر کی بابت کچھ پوچھنے کا

موقع نہ ملے لیکن میں کب چوکنے والی تھی جب پورے دو ہفتے گذر گئے اور بیمہ کمپنی کے روپے روانہ کرنے کی تاریخ موت کی طرح سر پر آپہنچی تو میں نے پوچھا کیا ہوا تمہارے بھائی صاحب نے ذہن مبارک سے کچھ فرمایا ابھی تک خط ہی نہیں پہنچا۔ آخر ہمارا حصہ بھی گھر کی جائیداد میں کچھ ہے۔ یا نہیں؟ یا ہم کسی لونڈی باندی کی اولاد ہیں؟ پانچ سو روپے سال کا نفع نو دس سال قبل تھا اب ایک ہزار سے کم نہ ہوگا۔ کبھی نہ ہو، ایک جھنجی کوڑی بھی ہمیں نہیں ملی۔ موٹے حساب سے ہمیں دو ہزار ملنا چاہیئے۔ دو ہزار نہ ہو، ایک ہزار ہو، پانچ سو ہو۔ ڈھائی سو ہو۔ کچھ نہ ہو تو بیمہ کمپنی کے پریمیم بھر کو تو ہو۔ تحصیلدار کی آمدنی ہماری آمدنی کی چوگنی ہے رشوتیں بھی لیتے ہیں۔ تو پھر ہمارے روپے کیوں نہیں دیتے۔ آپ ہیں ہیں ہاں ہاں کرنے لگے۔ بچارے گھر کی مرمت کراتے ہیں، عزیز و اقارب کی مہمان داری کا بار بھی تو انہیں پر ہے خوب! گویا جائیداد کا منشا محض یہ ہے کہ اس کی کمائی اسی میں صرف ہو جائے۔ اس بھلے آدمی کو، بہانے گھڑنے نہیں آتے مجھ سے پوچھتے ایک نہیں ہزار بتا دیتی۔ کہہ دیتے گھر میں آگ لگ گئی سارا اثاثہ جل کر خاک ہوگیا یا چوری ہو گئی۔ چور نے گھر میں تنکا تک نہ چھوڑا دس ہزار کا غلہ خریدا تھا۔ اس میں خسارہ ہو گیا تھا گھاٹے سے بیچنا پڑا۔ یا کسی سے مقدمہ بازی ہو گئی۔ اس میں دیوالہ پٹ گیا۔ آپ کو سوجھی بھی تو لچر سی بات۔ اس جولانی طبع پر آپ مصنف اور شاعر بھی بنتے ہیں۔ تقدیر ٹھونک کر بیٹھ رہی۔ پڑوس کی بی بی سے قرض لئے تب جا کر کہیں کام چلا۔ پھر بھی آپ بھائی بھتیجوں کی تعریف کے پل باندھتے ہیں تو میرے جسم میں آگ لگ جاتی ہے ایسے برادران یوسف سے خدا بچائے۔

خدا کے فضل سے آپ کے دو بچے ہیں، دو بچیاں بھی ہیں۔ خدا کا فضل کہوں یا خدا کا قہر کہوں۔ سب کے سب اتنے شریر ہو گئے ہیں کہ معاذ اللہ۔ مگر کیا مجال کہ یہ بھلے مانس کسی بچے کو تیز نگاہ سے بھی دیکھیں۔ رات کے آٹھ بج گئے ہیں۔ بڑے صاحبزادے ابھی گھوم کر نہیں آئے ہیں۔ گھبرا رہی ہوں آپ اطمینان سے بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہیں۔

جھلائی ہوئی آتی ہوں اور اخبار چھین کر کہتی ہوں "جا کر ذرا دیکھتے کیوں نہیں لونڈا کہاں رہ گیا، نہ جانے تمہارے دل میں کچھ قلق ہے بھی یا نہیں۔ تمہیں تو خدا نے اولاد ہی ناحق دی۔ آج آئے تو خوب ڈانٹنا" تب آپ بھی گرم ہو جاتے ہیں۔ ابھی تک نہیں آیا بڑا شیطان ہے، آج بچا آتے ہیں تو کان اکھاڑ لیتا ہوں۔ مارے تھپیڑوں کے کھال ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔ یوں بگڑ کر طیش کے عالم میں آپ اس کی تلاش کرنے نکلتے ہیں۔ اتفاق سے آپ اُدھر جاتے ہیں۔ ادھر لڑکا آجاتا ہے۔ میں کہتی ہوں تو کدھر سے آگیا۔ وہ بچارے تجھے ڈھونڈنے گئے ہوئے ہیں۔ دیکھنا آج کیسی مرمت ہوتی ہے۔ یہ عادت ہی چھوٹ جائے گی۔ دانت پیس رہے تھے۔ آتے ہی ہوں گے۔ چھڑی بھی ہاتھ میں ہے۔ تم اتنے شریر ہو گئے ہو کہ بات نہیں سنتے۔ آج قدر عافیت معلوم ہوگی۔ لڑکا سہم جاتا ہے اور لیمپ جلا کر پڑھنے لگتا ہے۔ آپ ڈیڑھ دو گھنٹے میں لوٹتے ہیں حیران و پریشان اور بدحواس، گھر میں قدم رکھتے ہی پوچھتے ہیں آیا کہ نہیں۔ ؟

میں ان کا غصہ بھڑکانے کے ارادے سے کہتی ہوں "آکر بیٹھا تو ہے جا کر پوچھتے کیوں نہیں؟ پوچھ کر ہار گئی، کہاں گیا تھا۔ کچھ بولتا ہی نہیں۔"

آپ گرج پڑتے ہیں "منو یہاں آؤ!"

لڑکا تھر تھر کانپتا ہوا آکر آنگن میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ دونوں بچیاں گھر میں چھپ جاتی ہیں کہ خدا جانے کیا آفت نازل ہونے والی ہے۔ چھوٹا بچہ، کھڑکی سے چوہے کی طرح جھانک رہا ہے۔ آپ جامے سے باہر ہیں۔ ہاتھ میں چھڑی ہے۔ میں بھی وہ غضب ناک چہرہ دیکھ کر پچھتانے لگتی ہوں کہ کیوں ان سے شکایت کی۔ آپ لڑکے کے پاس جاتے ہیں۔ مگر بجائے اس کے کہ چھڑی سے اس کی مرمت کریں۔ آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بناوٹی غصے سے کہتے ہیں "تم کہاں گئے تھے جی۔ منع کیا جاتا ہے مانتے نہیں ہو۔ خبردار جو اب اتنی دیر کی۔ آدمی شام کو گھر چلا آتا ہے یا اِدھر اُدھر گھومتا ہے ؟"

میں سمجھ رہی ہوں یہ تمہید ہے۔ قصیدہ اب شروع ہوگا۔ گریز تو بری نہیں۔ لیکن

یہاں تمہید یہ ہپاڑ خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بس آپ کا غصہ فرد ہو گیا۔ لڑکا اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے اور غالباً خوشی سے اُچھلنے لگتا ہے۔

میں احتجاج کی صدا بلند کرتی ہوں "تم تو جیسے ڈر گئے۔ بھلا دو چار طمانچے تو لگائے ہوتے۔ اس طرح تو لڑکے شریر ہو جاتے ہیں۔ آٹھ بجے آیا ہے کل نو کی خبر لائے گا۔ اس نے بھی دل میں کیا سمجھا ہو گا"

آپ فرماتے ہیں "تم نے سُنا نہیں میں نے کتنی زور سے ڈانٹا۔ بچے کی روح ہی فنا ہو گئی ہو گی۔ دیکھ لینا جو پھر کبھی دیر میں آئے گا"

"تم نے ڈانٹا تو نہیں ہاں آنسو پونچھ دیئے"

آپ نے ایک نئی اُپج نکالی ہے۔ کہ لڑکے تادیب سے خراب ہو جاتے ہیں۔ آپ کے خیال میں لڑکوں کو آزاد رہنا چاہیئے۔ ان پر کسی قسم کی بندش یا دباؤ نہ ہونا چاہیئے بندش سے آپ کے خیال میں لڑکے کی دماغی نشوونما میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اس کا یہ نتیجہ ہے کہ لڑکے شترِ بے مہار بنے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک منٹ بھی کتاب کھول کر نہیں بیٹھتا کبھی گلی ڈنڈا ہے کبھی گولیاں کبھی کنکوے حضرت انہیں کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ چالیس سال سے تو متجاوز آپ کی عمر ہے مگر لڑکپن دل سے نہیں گیا۔ میرے باپ کے سامنے کیا مجال تھی کہ کوئی لڑکا کنکوا اڑا ئے یا گلی ڈنڈا کھیل سکے خون پی جاتے۔ صبح سے لڑکوں کو پڑھانے بیٹھ جاتے اسکول سے جوں ہی لڑکے واپس آتے پھر لے بیٹھتے۔ بس شام کو آدھ گھنٹے کی چھٹی دیتے۔ رات کو پھر کام میں جوت دیتے یہ نہیں کہ آپ تو اخبار پڑھیں۔ اور لڑکے گلی گلی کی خاک چھانتے پھریں۔ کبھی آپ بھی سینگ کٹا کر بچھڑے بن جاتے ہیں۔ لڑکوں کے ساتھ تاش کھیلنے بیٹھ جاتے ہیں ایسے باپ کا لڑکوں پر کیا رعب ہو سکتا ہے ابا جان کے سامنے میرے بھائی سیدھے آنکھ اٹھا کر دیکھ نہیں سکتے تھے ان کی آواز سنتے ہی قیامت آجاتی تھی۔ انہوں نے گھر میں قدم رکھا اور خموشی طاری ہوئی۔ ان کے روبرو جاتے

ہوئے لڑکوں کی جان نکلتی تھی اور اسی تعلیم کی یہ برکت ہے کہ سبھی اچھے عہدوں پر پہنچ گئے۔ صحت البتہ کسی کی بہت اچھی نہیں ہے تو ابا جان کی صحت ہی کون سی اچھی تھی۔ بیچارے ہمیشہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا رہتے پھر لڑکوں کی صحت کہاں سے اچھی ہو جاتی لیکن کچھ بھی ہو تعلیم و تادیب میں انھوں نے کسی کے ساتھ رعایت نہیں کی۔

ایک روز میں نے حضرت کو بڑے صاحبزادے کو کنکوے کی تعلیم دیتے دیکھا یوں گھماؤ، یوں غوطہ دو، یوں کھینچو، یوں ڈھیل دو۔ ایسا دل و جان سے سکھا رہے تھے گویا گرو منتر دے رہے ہوں۔ اس دن میں نے بھی ان کی ایسی خبر لی کہ یاد کرتے ہوں گے میں نے صاف کہہ دیا تم کون ہوتے ہو میرے بچوں کو بگاڑنے والے! تمہیں گھر سے کوئی مطلب نہیں ہے نہ ہو۔ لیکن آپ میرے بچوں کو خراب مت کیجئے۔ بُرے بُرے شوق نہ پیدا کیجئے۔ اگر آپ انہیں سدھار نہیں سکتے تو کم از کم بگاڑیئے مت لگے باتیں بنانے ابّا جان کسی کو میلے تماشے نہ لے جاتے تھے۔ لڑکا سر ٹپک کر مر جائے مگر ذرا بھی نہ پسیجتے تھے اور ان بھلے آدمی کا یہ حال ہے کہ ایک ایک سے پوچھ کر میلے لے جاتے ہیں چلو چلو وہاں بڑی بہار ہے۔ خوب آتش بازیاں چھوٹیں گی۔ غبارے اڑیں گے ولایتی چرخیاں بھی ہیں۔ ان پر مزے سے بیٹھنا۔ اور تو اور آپ لڑکوں کو ہاکی کھیلنے سے بھی نہیں روکتے یہ انگریزی کھیل بھی کتنے خوفناک ہوتے ہیں۔ کرکیٹ، فٹ بال، ہاکی ایک سے ایک مہلک، گیند لگ جائے تو جان ہی لیکر چھوڑے۔ مگر آپ کو تو ان کھیلوں سے بڑی رغبت ہے۔ کوئی لڑکا میچ میں جیت کر آتا ہے تو کتنے خوش ہوتے ہیں۔ کوئی قلعہ فتح کر آیا ہو۔ حضرت کو ذرا بھی اندیشہ نہیں ہے کہ کسی لڑکے کے چوٹ لگ گئی تو کیا ہوگا۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹ گیا تو بے چاروں کی زندگی کیسے پار لگے گی۔

پچھلے سال لڑکی کی شادی تھی۔ آپ کو یہ ضد تھی کہ جہیز کے نام کانی کوڑی بھی نہ دیں گے۔ چاہے لڑکی ساری عمر کنواری بیٹھی رہے۔ آپ اہل دنیا کی خباثت النفسی آئے دن دیکھتے رہتے ہیں، پھر بھی چشم بصیرت نہیں کھلتی۔ جب تک سماج کا یہ نظام قائم ہے

اور لڑکی کا بلوغ کے بعد کنواری رہنا انگشت نمائی کا باعث ہے۔ اس وقت تک یہ رسم فنا
نہیں ہو سکتی۔ دو چار افراد بھلے ہی ایسے بیدار مغز نکل آئیں جو جہیز لینے سے احتراز کریں لیکن
اس کا اثر عام حالات پر بہت کم ہوتا ہے۔ اور یہ بدعت قائم رہتی ہے جب لڑکوں کی
طرح لڑکیوں کے لئے بھی بیس پچیس کی عمر تک کنواری رہنا بدنامی کا باعث نہ سمجھا جائے گا۔
اس وقت آپ ہی آپ یہ رسم رخصت ہو جائے گی۔ میں نے جہاں جہاں پیغام دیئے ہیں جہیز (زیور)
کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اور آپ۔ جہیز و تیغ پر اڑ گئے۔ آخر دن جب اس طرح ایک پورا سال گذر گیا اور
لڑکی کا سترھواں سال شروع ہو گیا۔ تو میں نے ایک جگہ بات پکی کر لی۔ حضرت بھی راضی ہو گئے۔
کیونکہ ان لوگوں نے قرارداد نہیں کی۔ حالانکہ دل میں انہیں یہ بالیقین تھا کہ ایک اچھی رقم ملے گی اور
میں نے بھی طے کر لیا کہ اپنے مقدور بھر کوئی بات اٹھا نہ رکھوں گی۔ شادی کے بخیر و عافیت
انجام پانے میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن آپ جانتے ہیں کہ آگے میری ایک نہ چلتی تھی یہ رسم بے ہودہ
ہے یہ رسم بے معنی ہے۔ یہاں روپے کی کیا ضرورت؟ یہاں گیتوں کی کیا ضرورت؟ ناک میں
دم تھا۔ یہ کیوں، وہ کیوں؟ یہ تو صاف جہیز ہے۔ تم نے میرے منہ میں کالک لگا دی۔ میری
آبرو مٹا دی۔ ذرا خیال کیجئے بارات دروازے پر پڑی ہوئی ہے۔ اور یہاں بات بات پر
ردو قدح ہو رہی ہے۔ شادی کی ساعت رات کے بارہ بجے تھی۔ اس دن لڑکی کے ماں باپ
برت رکھتے ہیں۔ میں نے بھی برت رکھا۔ لیکن آپ کی ضد تھی کہ برت کی کوئی ضرورت نہیں۔
جب لڑکے کے والدین برت نہیں رکھتے۔ تو لڑکی کے والدین کیوں رکھیں۔ میں اور سارا خاندان
ہر چند منع کرتا رہا۔ لیکن آپ نے حسب معمول ناشتہ کیا، کھانا کھایا۔ خیر رات کو شادی کے وقت
کنیادان کی رسم آئی۔ آپ کو کنیادان کی رسم پر ہمیشہ سے اعتراض ہے۔ اسے آپ مہمل سمجھتے ہیں۔ لڑکی
دان کی چیز نہیں۔ دان روپے پیسے کا ہوتا ہے۔ جانور بھی دان دیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن لڑکی کے
دان کی ایک بچری سی بات ہے۔ کتنا سمجھاتی ہوں صاحب پرانا رواج ہے۔ شاستروں میں صاف
اس کا حکم ہے۔ عزیز و اقارب سمجھا رہے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کہتی ہوں دنیا

کیا کہے گی؟ یہ لوگ کیا بالکل لامذہب ہو گئے، مگر آپ کان ہی نہیں دیتے۔ پیروں پڑی۔ یہاں تک کہا کہ بابا! تم کچھ نہ کرنا، جو کچھ کرنا ہو۔ میں کرلوں گی۔ تم صرف چل کر منڈپ میں لڑکی کے پاس بیٹھ جاؤ اور اسے دعا دو۔ مگر اس مرد خدا نے مطلق سماعت نہ کی آخر مجھے رونا آ گیا۔ باپ کے ہوتے میری لڑکی کا کینا دان چچا یا ماموں کرے یہ مجھے منظور نہ تھا۔ میں نے تنہا کینا دان کی رسم ادا کی آپ گھر جھانکنے تک نہیں، اور لطف یہ کہ آپ ہی مجھ سے روٹھ بھی گئے۔ بارات کی رخصتی کے بعد مجھ سے مہینوں بولے نہیں۔ جھک مار کر مجھی کو منانا پڑا۔

مگر کچھ عجیب دل لگی ہے۔ کہ ان ساری برائیوں کے باوجود میں ان سے ایک دن کے لئے بھی جدا نہیں رہ سکتی۔ ان سارے عیوب کے باوجود میں انھیں پیار کرتی ہوں۔ ان میں وہ کون سی خوبی ہے جس پر میں فریفتہ ہوں مجھے خود نہیں معلوم۔ مگر کوئی چیز ہے ضرور جو مجھے ان کا غلام بنائے ہوئے ہے۔ وہ ذرا معمول سے دیر میں گھر میں آتے ہیں تو میں بے صبر ہو جاتی ہوں۔ ان کا سر بھی درد کرے تو میری جان نکل جاتی ہے۔ آج اگر تقدیر ان کے عوض مجھے کوئی علم اور عقل کا پتلا حسن اور دولت کا دیوتا بھی دے تو میں اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھوں۔ یہ فرض کی بیڑی نہیں ہے۔ ہرگز نہیں یہ رواجی وفاداری بھی نہیں ہے۔ بلکہ ہم دونوں کی فطرتوں میں کچھ ایسی رواداریاں کچھ صلاحیتیں پیدا ہو گئی ہیں گویا کسی مشین کے کل پرزے گھس گھسا کر فٹ ہو گئے ہیں۔ اور ایک پرزے کی جگہ دوسرا پرزہ کام نہ دے سکے۔ چاہے وہ پہلے سے کتنا ہی سڈول نیا اور خوش نما کیوں نہ ہو۔ جانے ہوئے رستے ہم بے خوف، آنکھیں بند کئے چلے جاتے ہیں۔ اس کے نشیب و فراز، موڑ اور گھماؤ اب ہماری آنکھوں میں سمائے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس کسی انجان رستے پر چلنا کتنی زحمت کا باعث ہو سکتا ہے قدم قدم پر گمراہ ہو جانے کے اندیشے، ہر لمحہ چور اور رہزن کا خوف! بلکہ شاید آج میں ان کی برائیوں کو خوبیوں سے تبدیل کرنے پر بھی تیار نہیں ؛؛

معصوم بچہ

(۱)

گنگو کو لوگ برہمن کہتے ہیں اور وہ اپنے کو برہمن سمجھتا بھی ہے۔ میرے سائیس اور خدمتگار مجھے دور سے سلام کرتے ہیں۔ گنگو مجھے کبھی سلام نہیں کرتا وہ شاید مجھ سے پالاگن کی توقع رکھتا ہے۔ میرا جھوٹا گلاس کبھی ہاتھ سے نہیں چھوتا اور نہ کبھی میری اتنی ہمت ہوئی کہ اس سے پنکھا جھلنے کو کہوں۔ جب میں پسینے میں تر ہوتا ہوں اور وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہوتا۔ تو گنگو آپ ہی آپ پنکھا اٹھا لیتا ہے۔ لیکن اس کے چہرے سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ وہ مجھ پر کوئی احسان کر رہا ہے۔ اور میں بھی نہ جانے کیوں فوراً ہی اس کے ہاتھ سے پنکھا چھین لیتا ہوں۔ تیز مزاج آدمی ہے۔ بات کی مطلق برداشت نہیں ایسے بہت کم آدمی ہیں جن سے اس کی دوستی ہو۔ سائیس اور خدمتگار کے ساتھ بیٹھنا شاید وہ کسرِ شان سمجھتا ہے۔ میں نے اُسے کسی سے بے تکلف ہوتے نہیں دیکھا نہ میلے تماشے میں جاتے دیکھا۔ حیرت یہ ہے کہ اُسے بھنگ بوٹی سے بھی شوق نہیں جو اس طبقے کے آدمیوں میں ایک غیر معمولی وصف ہے۔ وہ کبھی پوجا پاٹ نہیں کرتا اور نہ اُسے ندی میں اشنان کرنے کا خبط ہے۔ بالکل ناحرف شناس آدمی ہے لیکن پھر بھی وہ برہمن ہے اور چاہتا ہے کہ دنیا اس کی تعظیم اور خدمت کرے۔ اور کیوں نہ چاہے؟ جب اجداد کی پیدا کی ہوئی ملکیتوں پر آج بھی لوگ قابض ہیں اور اسی شان سے اتراتے ہیں گویا انہوں نے خود پیدا کی ہو تو وہ کیوں اس تقدس اور امتیاز کو ترک کر دے۔ جو اس کے بزرگوں نے پیدا کیا تھا یہی اس کا ترکہ ہے۔

میری طبیعت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اپنے ملازموں سے بہت کم بولتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں۔ جب تک میں نہ بلاؤں۔ کوئی میرے پاس نہ آئے۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ

ذرا ذرا سی باتوں کے لئے آدمیوں کو آواز دیتا پھروں۔ مجھے اپنے ہاتھ سے صراحی سے پانی انڈیل لینا یا اپنا لیمپ جلا لینا، یا اپنے جوتے پہن لینا یا الماری سے کوئی کتاب نکال لینا اس سے کہیں زیادہ آرام دہ معلوم ہوتا ہے کہ چیخوں اور نوکروں کو پکاروں۔ اس سے مجھے اپنی آزادی اور خود اختیاری کا احساس ہوتا ہے۔ نوکر بھی میرے مزاج سے واقف ہو گئے ہیں اور بلا ضرورت میرے پاس بہت کم آتے ہیں۔ اس لئے ایک دن علی الصبح جب گنگو میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ تو مجھے کچھ ناگوار گذرا۔ یہ لوگ جب آتے ہیں تو یا تو پیشگی حساب میں کچھ مانگنے کے لئے یا کسی دوسرے ملازم کی شکایت کرنے کے لئے اور مجھے یہ دونوں حرکتیں حد درجہ ناپسند ہیں۔ میں پہلی کو ہر ایک کی تنخواہ بے باق کر دیتا ہوں اور بیچ میں جب کوئی کچھ مانگتا ہے تو مجھے غصہ آتا ہے کون دو دو چار چار روپے کا حساب رکھتا پھرے۔ پھر جب کسی کو مہینہ بھر کی مزدوری مل گئی تو اسے کیا حق ہے کہ اسے پندرہ دن میں خرچ کر دے اور قرض یا پیشگی کی ذلت اختیار کرے اور شکایتوں سے تو مجھے نفرت ہے۔ میں شکایت کو کمزوری کی دلیل سمجھتا ہوں۔ یا خوشامد پسندی اور امداد طلبی کی کمینی کوشش۔

میں نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا "کیا معاملہ ہے۔ میں نے تمہیں بلایا نہیں"

گنگو کے تیکھے بے نیاز چہرے پر آج کچھ ایسی لجاجت، کچھ ایسی التجا، کچھ ایسا حجاب تھا کہ مجھے تعجب ہوا۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ کچھ جواب دینا چاہتا ہے۔ مگر الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔

میں نے ذرا نرم ہو کر کہا "آخر بات کیا ہے؟ کہتے کیوں نہیں۔ تم جانتے ہو یہ میری ہوا خوری کا وقت ہے۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔

گنگو نے مایوسانہ لہجے میں کہا "تو آپ ہوا کھانے جائیں۔ میں پھر آجاؤں گا۔"

یہ صورت اور بھی پریشان کرنے والی تھی۔ اس رواداری میں ایک منٹ میں وہ اپنی سرگذشت کہہ سنائے گا۔ وہ اتنا جانتا ہے کہ مجھے زیادہ فرصت نہیں ہے دوسرے موقع پر تو کمبخت گھنٹوں روئے گا میرے کچھ لکھنے پڑھنے کو شاید وہ کام سمجھتا ہو لیکن غور و خوض کو جو میرے لئے انتہائی

مصروفیت ہے۔ وہ میرے آرام کا وقت سمجھتا ہے یقیناً یہ اسی وقت آ کر میرے سر پر سوار ہو جائے گا۔

میں نے تلخی کے ساتھ کہا۔ "کچھ پیشگی مانگنے آئے ہو۔ میں پیشگی نہیں دیتا۔"

"جی نہیں سرکار، میں نے تو کبھی پیشگی نہیں مانگی۔"

"تو کیا کسی کی شکایت کرنا چاہتے ہو؟ مجھے شکایتوں سے نفرت ہے۔"

"جی نہیں سرکار، میں نے تو کبھی کسی کی شکایت نہیں کی۔"

"تو پھر خواہ مخواہ کیوں سر پر سوار ہو گئے۔"

گنگو نے اپنے دل کو مضبوط کیا۔ اس کے بشرے سے معلوم ہو رہا تھا۔ کہ وہ کوئی جست لگانے کے لئے اپنی ساری قوتوں کو مجتمع کر رہا ہے۔ آخر اس نے کہا "مجھے اب آپ چھٹی دے دیں۔ میں اب آپ کی نوکری نہ کر سکوں گا۔" یہ اس قسم کی پہلی استدعا تھی جو میرے کانوں میں پڑی۔ میری خودداری کو چوٹ لگی۔ میں جو اپنے آپ کو انسانیت کا پتلا سمجھتا ہوں۔ اپنے ملازموں سے سخت کلامی نہیں کرتا۔ اپنی آقائیت کو حتی الامکان نیام میں رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس درخواست پر کیوں نہ حیرت میں آ جاتا۔ تحکم کے لہجے میں پوچھا "کیوں کیا شکایت ہے۔"

"آپ نے تو حضور جیسی نیک طبیعت پائی ہے۔ ویسی کیا کوئی پائے گا۔ لیکن بات ایسی آ پڑی ہے کہ اب میں آپ کے یہاں نہیں رہ سکتا۔ ایسا نہ ہو پیچھے سے کوئی بات ہو جائے۔ تو آپ کی بدنامی ہو۔ میں نہیں چاہتا میرے ذریعے سے آپ کی آبرو میں بٹہ لگے۔"

میرے دل میں الجھن پیدا ہوئی۔ دریافت حال کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ہوا خوری کا نشہ اتر گیا تو کل کے انداز سے برآمدے میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر بولا "تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ کیا معاملہ ہے؟"

گنگو نے مجسم معذرت بن کر کہا "بات یہ ہے کہ وہ عورت جو ابھی بدھوا آشرم سے نکال دی گئی ہے۔ وہی گومتی دیوی ...."

وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے بے صبر ہو کر کہا "ہاں نکال دی گئی ہے تو پھر؟ تمہاری

ری کا اس سے کیا تعلق ہے؟''

''میں اس سے بیاہ کرنا چاہتا ہوں حضور۔''

میں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا۔ یہ پرانے خیال کا بوڑھا برہمن جیسے نئی تہذیب کی ہوا تک نہیں لگی۔ اس عورت سے شادی کرے گا۔ جسے کوئی بھلا آدمی اپنے گھر میں قدم بھی نہ رکھنے دے گا۔ گومتی نے محلے کی پرسکون فضا میں تھوڑی سی حرکت پیدا کر دی تھی۔ کئی سال قبل وہ بد صورت آشرم میں داخل ہوئی تھی۔ تین بار آشرم کے منتظموں نے اس کی شادی کر دی۔ مگر ہر بار دو ہفتہ، عشرہ کے بعد بھاگ آئی۔ یہاں تک کہ آشرم کے سیکرٹری نے اب کی بار اُسے آشرم سے نکال دیا تھا۔ وہ اسی محلے میں ایک کوٹھڑی لے کر رہتی تھی اور سارے محلے کے شہدوں کے لئے دلچسپیوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

مجھے گنگو کی سادہ لوحی پر غصہ بھی آیا اور رحم بھی۔ اس بے وقوف کو ساری دنیا میں کوئی عورت ہی نہ ملتی تھی۔ جو اس سے شادی کرنے چلا ہے۔ جب وہ تین بار شوہروں کے پاس سے بھاگ آئی تو اس کے پاس کتنے دنوں رہے گی۔ کوئی گانٹھ کا پورا آدمی ہوتا تو ایک بات بھی تھی۔ شاید سال چھ مہینے ٹک جاتی۔ یہ تو نرا آنکھ کا اندھا ہے ایک ہفتہ بھی تو نباہ نہ ہو گا۔

میں نے تنبیہہ آمیز لہجے میں پوچھا ''تم اس عورت کے حالات سے واقف ہو؟''

گنگو نے عین الیقین کے انداز سے کہا ''سب جھوٹ ہے سرکار لوگوں نے اس کو ناحق بدنام کیا ہے۔''

''کیا معنی؟ کیا وہ تین بار اپنے شوہروں کے پاس سے نہیں بھاگ آئی؟''

''ان لوگوں نے اُسے نکال دیا تو کیا کرتی؟''

''کیسے احمق آدمی ہو۔ کوئی اتنی دور سے آکر شادی کر کے لے جاتا ہے۔ ہزاروں روپے خرچ کرتا ہے۔ اس لئے کہ عورت کو نکال دے؟''

گنگو نے شاعرانہ جوش کے ساتھ کہا ''جہاں محبت نہیں ہے حضور، وہاں کوئی

عورت نہیں رہ سکتی۔ عورت کھالی روٹی کپڑا تو نہیں چاہتی ہے، کچھ محبت بھی تو چاہتی ہے وہ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ ہم نے بدھوا سے بیاہ کرکے اس کے اوپر کوئی بہت بڑا احسان کیا ہے چاہتے ہیں کہ وہ دل و جان سے اس کی ہو جائے۔ لیکن دوسرے کو اپنا بنانے کیلئے پہلے آپ اس کا بن جانا پڑتا ہے ہجور۔ یہ بانتا ہے۔ پھر اسے ایک بیماری بھی ہے اسے کوئی بھوت لگا ہوا ہے۔ وہ کبھی ہک ہک کرنے لگتی ہے اور بے ہوش ہو جاتی ہے۔"

اور تم ایسی عورت سے شادی کرو گے؟ میں نے شبہ کے انداز سے سر ہلا کر کہا "سمجھے لو زندگی تلخ ہو جائے گی۔"

گنگو نے شہیدانہ سرگرمی سے کہا "میں تو سمجھتا ہوں۔ میری جندگی بن جائے گی۔ آگے بھگوان جی کی مرجی۔"

میں نے زور دے کر کہا "تو تم نے طے کر لیا ہے؟"

"ہاں ہجور"

"تو میں تمہارا استعفا منظور کرتا ہوں۔"

میں بے معنی رسوم اور مہمل بندشوں کا غلام نہیں ہوں۔ لیکن جو آدمی ایک فاحشہ سے شادی کر لے۔ اسے اپنے یہاں رکھنا اندیشے سے خالی نہ تھا۔ آئے دن جھگڑے ہوں گے نئی نئی الجھنیں پیدا ہوں گی۔ کبھی پولیس تحقیقات کرنے آئے گی، کبھی مقدمے کھڑے ہوں گے، کیا عجب ہے چوری کی وارداتیں بھی ہوں گنگو بھوکے آدمی کی طرح روٹی کا ٹکڑا دیکھ کر اس کی طرف لپک رہا ہے۔ روٹی خشک ہے۔ بدمزہ ہے۔ اس کی اسے پرواہ نہیں اس کا عقل سلیم سے کام لینا محال تھا میں نے اس کے علیحدہ کر دینے ہی میں اپنی عافیت سمجھی

(۲)

پانچ مہینے گذر گئے۔ گنگو نے گومتی سے شادی کر لی تھی۔ اور اسی محلے میں ایک کھپریل کا مکان لے کر رہتا تھا۔ وہ اب چاٹ کا خوانچہ لگا کر گذر بسر کرتا تھا۔ مجھے جب کبھی بازار

یں مل جاتا۔ میں اس سے استفسار حال کرتا مجھے اس کے حالات سے ایک خاص دلچسپی ہوگئی تھی۔ یہ ایک معاشرتی مسئلے کی آزمائش تھی۔ معاشرتی ہی نہیں بلکہ نفسیاتی بھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے میں گنگو کو ہمیشہ خوش و خرم دیکھتا۔ فراغت اور بے فکری سے چہرے پر جو ایک نفاست اور مزاج میں ایک خودداری پیدا ہو جاتی ہے وہ مجھے یہاں صریحاً نظر آتی تھی۔ روپے بیس آنے کی روزانہ بکری ہو جاتی تھی۔ اس میں لاگت نکال کر آٹھ دس آنے بچ جاتے تھے۔ یہی اس کی معاش تھی۔ مگر اس میں کوئی خاص برکت تھی۔ کیونکہ اس طبقے کے آدمیوں میں جو بے سروسامانی جو بے غیرتی نظر آتی ہے ان سے وہ پاک تھا۔ اس کے چہرے پر خود اعتمادی اور مسرت کی جھلک تھی جو سکون قلب ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔

ایک دن میں نے سُنا کہ گومتی گنگو کے گھر سے بھاگ گئی ہے۔

کہہ نہیں سکتا کیوں مجھے اس خبر سے ایک خاص خوشی ہوئی۔ مجھے گنگو کے اطمینان اور پُر عافیت زندگی پر ایک طرح کا رشک آتا تھا۔ میں اس کے بارے میں کسی رسوا کن سانحے، کسی دلفگار اور تباہ کن تغیر کا منتظر تھا۔ آخر اُسے اپنی سہل اعتقادی کا تاوان دینا پڑا۔ اب دیکھیں وہ کس طرح منہ دکھاتا ہے۔ اب آنکھیں کھلیں گی اور معلوم ہوگا۔ کہ لوگ جو اُسے اس شادی سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے تھے کتنے نیک نیت تھے اس وقت تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا حضرت کو ایک نایاب چیز ملی جا رہی ہے گویا نجات کا دروازہ کھل گیا ہے۔ لوگوں نے کتنا سمجھایا۔ کتنا کہا کہ یہ عورت اعتبار کے قابل نہیں کتنوں کو دغا دے چکی ہے۔ تمہارے ساتھ بھی دغا کرے گی۔ مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔ اب اس ابلہانہ ضد کا خمیازہ اٹھاؤ۔ اب میں تو ذرا مزاج پرسی کروں۔ کہوں کیوں مہراج، دیوی جی کا یہ بردان پاکر خوش ہوئے یا نہیں۔ تم تو کہتے تھے۔ وہ ایسی ہے اور ویسی ہے۔ لوگ اسے محض بدخواہی کے باعث تہمت لگاتے ہیں۔ اب بتلاؤ کون غلطی پر تھا۔ آپ گیا خیال شریعت میں کہ حسن فروش عورتوں سے لوگ کیوں احتراز کرتے ہیں۔

اسی دن اتفاق سے بازار میں گنگو سے میری ملاقات ہو گئی، بدحواس تھا، بالکل کھویا ہوا گم گشتہ، کشتی شکستہ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ندامت سے نہیں۔ درد سے میرے پاس آکر بولا "بابو جی! گومتی نے میرے ساتھ بھی دغا کیا"

میں نے حاسدانہ مسرت سے لیکن بظاہر ہمدردی کا اظہار کر کے کہا۔ "تم سے تو میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ لیکن تم مانتے ہی نہیں۔ اب صبر کرو۔ اس کے سوا اور کیا چارہ ہے۔ روپے پیسے صاف کر لے گئی یا کچھ چھوڑ گئی؟"

گنگو نے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ ایسا معلوم ہوا گویا میرے اس سوال نے اس کے جگر کے ٹکڑے کر دیئے۔

ارے بابو جی ایسا نہ کہیئے۔ اس نے دھیلے کی چیز بھی نہیں چھوئی۔ اپنا جو کچھ تھا وہ بھی چھوڑ گئی۔ نہ جانے مجھ میں کیا برائی دیکھی۔ میں اس کے لائق نہ تھا بس اور کیا کہوں وہ پڑھی لکھی۔ میں کریا اچھر بھینس برابر۔ میرے ساتھ اتنے دن رہی یہی بہت تھا۔ کچھ دن اور اس کے ساتھ رہ جاتا تو آدمی بن جاتا۔ اس کا آپ سے کہاں تک بکھان کروں بابو جی اوروں کے لئے وہ جا ہے کچھ رہی ہو۔ وہ میرے لئے کسی دیوتا کا اشیر باد تھی۔ کیا جانے مجھ سے ایسی کیا خطا ہو گئی ہو۔ مگر قسم لے لیجیئے جو اس نے بھول کر بھی شکایت کی ہو میری اوقات ہی کیا ہے۔ بابو جی دس بارہ آنے روز کا مجور ہوں۔ مگر اسی میں اس کے ہاتھوں اتنی برکت تھی کہ کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کبھی میں نے اس کے چہرے پر میل نہیں دیکھا۔

مجھے ان الفاظ سے سخت مایوسی ہوئی۔ میں نے سمجھا تھا وہ اس کی بیوفائی کی داستان کہے گا، اور میں اس کی حماقت پر حاسدانہ ہمدردی کروں گا۔ مگر اس احمق کی آنکھیں اب تک نہیں کھلیں۔ اب بھی اسی کا کلمہ پڑھ رہا ہے ضرور اس کے دماغ میں کچھ خلل ہے۔

میں نے شماتت آمیز ظرافت شروع کی۔ "تو وہ تمہارے گھر سے کچھ نہیں لے گئی؟"

"کچھ نہیں بابو جی، دھیلے کی چیز بھی نہیں۔"

"اور تم سے محبت بھی کرتی تھی؟"

"اب آپ سے کیا کہوں بابو جی" "وہ محبت تو مرتے دم تک یاد رہے گی۔"

"پھر بھی تمہیں چھوڑ کر چلی گئی۔"

"یہی تو تعجب ہے۔ بابو جی"

"ثریا جہرہ کا نام کبھی سنا ہے؟"

"ارے بابو جی! ایسا نہ کہیئے۔ میری گردن پہ کوئی چھری بھی رکھ دے۔ تو بھی میں اس کا جس ہی گاتے جاؤں گا۔"

"تو پھر ڈھونڈ نکالو!"

"ہاں الگ! جب تک اُسے ڈھونڈ نہ لاؤں۔ مجھے چین نہ آئے گا۔ مجھے اتنا معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں ہے۔ پھر تو میں اُسے لے ہی آؤں گا! اور بابو جی! میرا دل کہتا ہے کہ وہ آئے گی ضرور۔ دیکھ لیجئے گا۔ وہ مجھ سے خفا نہیں تھی لیکن دل نہیں مانتا۔ جاتا ہوں مہینے دو مہینے جنگل پہاڑ کی خاک چھانوں گا۔ جیتا رہا تو پھر آپ کے درشن کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ مجنونانہ رفتار سے ایک طرف چل دیا۔

(۴)

اس کے بعد مجھے ایک ضرورت سے نینی تال جانا پڑا۔ تفریح کے لئے ایک مہینے کے بعد لوٹا اور ابھی کپڑے بھی نہ اتارنے پایا تھا کہ دیکھتا ہوں۔ گنگو ایک نوزائیدہ بچے کو گود میں لئے کھڑا ہے۔ شاید کرشن کو پا کر نند بھی اتنے باغ باغ نہ ہوئے ہوں گے۔ معلوم ہوتا تھا مسرت اس کے جسم سے باہر نکلی پڑتی ہے۔ چہرے اور آنکھوں سے تشکر اور نیاز کے نغمے سے نکل رہے تھے۔ کچھ وہی کیفیت تھی۔ جو کسی فاقہ کش سائل کے چہرے پہ شکم سیر ہو جانے کے بعد نظر آتی ہے۔

میں نے پوچھا: "کہو مہاراج، گومتی دیوی کا کچھ سراغ ملا؟ تم تو باہر گئے تھے۔"

گنگو نے جامے میں پھولے نہ سماتے ہوئے جواب دیا: "ہاں بابو جی آپ کی دعا سے ڈھونڈ لایا۔ لکھنؤ کے زنانے ہسپتال میں ملی۔ یہاں ایک سہیلی سے کہہ گئی تھی کہ اگر وہ بہت بے قرار ہوں

تو بتلا دینا ہیں سنتے ہی لکھنؤ بھاگ گا، اور انہیں سے آیا گھاتے میں یہ بچہ بھی مل گیا۔

اس نے بچے کو گود میں اٹھا کر میری طرف بڑھایا۔ گویا کوئی کھلاڑی تمغہ پا کر اُسے دکھا رہا ہو۔

میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ابھی اس کی شادی کو ہوئے کل چھ مہینے ہوئے ہیں۔ پھر بھی یہ بچے کو کتنی بے حیائی سے دکھا رہا ہے۔ میں نے تمسخر کے انداز سے پوچھا یہ لڑکا بھی مل گیا۔ شاید اس لئے وہ یہاں سے بھاگی تھی۔ ہے تو تمہارا لڑکا ہی نہ

"میرا کاہے کو ہے بابو جی، آپ کا ہے بھگوان کا ہے۔"

"تو لکھنؤ میں پیدا ہوا؟"

"ہاں بابو جی۔ ابھی تو کل ایک مہینے کا ہے۔"

"تمہاری شادی ہوئے کتنے دن ہوئے؟"

"یہ ساتواں مہینہ جا رہا ہے۔"

"شادی کے چھٹے مہینے میں پیدا ہوا؟"

"اور کیا بابو جی۔"

"پھر بھی تمہارا لڑکا ہے۔"

"ہاں جی۔"

"کیسی بے سر پیر کی باتیں کر رہے ہو۔"

معلوم نہیں وہ میرا منشا سمجھ رہا تھا۔ اسی سادہ لوحانہ انداز سے بولا "گھر میں مرتے مرتے بچی، بابو جی۔ بیر بیا جنم ہوا۔ تین دن تین رات چھٹ پٹاتی رہی۔ کچھ نہ پوچھیے۔"

میں نے اب ذرا طنز کے ساتھ کہا لیکن چھ مہینے میں لڑکا ہوتے میں نے آج ہی سنا۔

یہ کنایہ نشانہ پر جا بیٹھا۔ معذرت آمیز تبسم کے ساتھ بولا "مجھے تو بابو جی اس کا خیال بھی نہیں آیا اسی لاج سے تو گومتی بھاگی تھی۔ میں نے کہا "گومتی اگر تمہارا دل مجھ سے نہیں ملتا ہو تو مجھے

چھوڑ دو۔ میں اسی دم چلا جاؤں گا۔ اور پھر کبھی تمہارے پاس نہ آؤں گا۔ تمہیں جب کسی چیز کی ضرورت ہو۔ مجھے لکھنا میں بے شک تمہاری مدد کروں گا مجھے تم سے کوئی ملال نہیں ہے تم میری نظر میں اب بھی اتنی ہی بھلی ہو۔ اب بھی میں تمہیں اتنا ہی چاہتا ہوں۔ نہیں میں اب تمہیں اور زیادہ چاہتا ہوں۔ لیکن اگر تمہارا دل مجھ سے پھر نہیں گیا ہے۔ تو میرے ساتھ چلو۔ گنگو جیتے جی تم سے بے وفائی نہیں کریگا میں نے تم سے اس لئے بیاہ نہیں کیا کہ تم دیوی ہو بلکہ اس لئے کہ میں تمہیں چاہتا ہوں اور سمجھتا تھا کہ تم بھی مجھے چاہتی ہو۔ یہ بچہ میرا ہے۔ میرا اپنا بچہ ہے۔ میں نے ایک بویا ہوا کھیت لیا تو کیا اس کے پھل کو اس لئے چھوڑ دوں گا۔ کہ اسے دوسرے نے بویا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے زور سے قہقہہ مارا۔

میں کپڑے اتارنے بھول گیا۔ کہہ نہیں سکتا کہ کیوں میری آنکھیں پُر آب ہو گئیں۔ نہ جانے وہ کون سی طاقت تھی۔ جس نے میری دلی کراہت کے باوجود میرے ہاتھوں کو بڑھا دیا۔ میں نے اس معصوم بچے کو گود میں لے لیا اور اس پیار سے اس کا بوسہ لیا کہ شاید اپنے بچوں کا کبھی نہ لیا ہو گا۔

گنگو بولا" بابو جی آپ بڑے شریف ہیں۔ گومتی سے برابر آپ کا بکھان کیا کرتا ہوں کہتا ہوں چل ایک بار ان کے درشن کر آ۔ لیکن مارے شرم کے آتی ہی نہیں۔

میں اور شریف! اپنی شرافت کا پردہ آج میری نظروں سے ہٹا۔ میں نے عقیدت کے ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔" نہیں جی، وہ میرے جیسے سیاہ دلوں کے پاس کیا آئیں گی چلو میں ان کے درشن کرنے چلتا ہوں۔ تم مجھے شریف سمجھتے ہو۔ میں ظاہر میں شریف مگر دل کا کمینہ ہوں اصلی شرافت تم میں ہے۔ اور یہ معصوم بچہ وہ پھول ہے جس سے تمہاری شرافت کی مہک نکل رہی ہے۔"

میں بچے کو سینے سے چمٹائے ہوئے گنگو کے ساتھ چلا ÷

بدنصیب ماں

پنڈت اجودھیاناتھ کا انتقال ہوا۔ تو سب نے کہا۔ ایشور آدمی کو ایسی ہی موت دے۔ چار جوان لڑکے یادگار چھوڑے اور ایک لڑکی۔ اثاثہ بھی کافی۔ پختہ مکانات، دو باغ، کئی ہزار کے زیور اور بیس ہزار نقد۔ بیوہ پھول متی کو صدمہ ہونا لازمی تھا۔ اور وہ کئی دن تک بے حال رہی۔ لیکن جوان بیٹوں کو سامنے دیکھ کر اسے تشفی ہوئی۔ چاروں لڑکے ایک سے ایک سعادت مند، چاروں بہوویں ایک سے ایک فرماں بردار۔ جس وقت پھول متی چارپائی پر لیٹتی تو باری باری سے اس کے پاؤں دباتیں۔ وہ اشنان کر کے اٹھتی۔ تو اس کی ساڑھی دھوتیں۔ سارا گھر اس کے اشارے پر چلتا تھا۔ بڑے لڑکے کامتاناتھ ایک دفتر میں پچاس کا نوکر تھا۔ منجھلا اماناتھ ڈاکٹری پاس کر چکا تھا۔ اور کہیں مطب کھولنے کی فکر میں تھا۔ تیسرا دیاناتھ بی۔ اے میں فیل ہو گیا تھا۔ اور اخباروں میں مضامین لکھ کر اپنا جیب خرچ نکال لیتا تھا۔ سب سے چھوٹا سیتاناتھ چاروں میں ذہین اور ہونہار تھا۔ اور امسال بی۔ اے اول درجے میں پاس کر کے ایم۔ اے کی تیاری میں مصروف تھا۔ کسی میں وہ لاابالیاں نہ تھیں۔ نہ فضول خرچیاں نہ کم اندیشیاں جو والدین کو جلاتی ہیں اور خاندان کو تباہ کرتی ہیں۔ بڑھیا گھر کی مالکن تھی اگرچہ کنجیاں بڑی بہو کے پاس رہتی تھیں۔ پھول متی میں وہ حکومت پسندی نہ تھی۔ جو بڑھاپے کو سخت گیر بنا دیا کرتی ہے۔ مگر اس کی مرضی کے بغیر کوئی لڑکا ناشتہ بھی نہیں منگا سکتا تھا۔

شام کا وقت تھا۔ پنڈت جی کو مرے آج بارھواں دن تھا۔ کل تیرھویں ہے۔ برہم بھوج ہوگا۔ برادری کی دعوت ہوگی۔ اس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ پھول متی اپنے حجرے

میں بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ کہ پلّے دار بوریوں میں آٹا لا کر رکھ رہے ہیں۔ گھی کے ٹین آ رہے ہیں سبزی کے ٹوکرے شکر کی بوریاں، دہی کی مٹکیاں سب چلی آ رہی ہیں، مہابرہمن کے لئے دان کی چیزیں لائی گئیں، برتن، برتن، پلنگ، بستر، کپڑے وغیرہ مگر پھول متی کو کوئی چیز نہیں دکھائی گئی حسب ضابطہ سب چیزیں اس کے پاس آنی چاہیئے تھیں۔ وہ ہر ایک چیز کو دیکھتی اسے پسند کرتی۔ ان کی مقدار میں کمی بیشی کرتی تب ان چیزوں کو بھنڈارے میں رکھا جاتا مگر اسے دکھانے کی کسی نے ضرورت نہ سمجھی۔ اچھا آٹا تین ہی بوری کیوں آیا۔ اس نے تو پانچ بوریوں کے لئے کہا تھا۔ گھی کے بھی پانچ ہی کنستر آئے اس نے دس کنستر منگوائے تھے۔ شاید سبزی، دہی شکر وغیرہ میں بھی کمی کی گئی ہو گی کس نے اس کے حکم میں مداخلت کی جب اس نے ایک بات طے کر دی تو کسی کو کیا حق ہے کہ اس میں کمی بیشی کرے آج چالیس سال سے گھر کے ہر ایک معاملے میں پھول متی کا فیصلہ ناطق تھا۔ اس نے سو کہا تو سو خرچ کئے گئے ایک کہا تو ایک۔ کسی نے مین میکھ نہ کی یہاں تک کہ پنڈت اجودھیا ناتھ سب کچھ اس کی مرضی پر چھوڑ دیتے تھے۔ پر آج اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی حکم عدولی کی جا رہی ہے وہ اسے کیوں کر برداشت کر سکتی تھی؟

وہ کچھ دیر تک تو ضبط کئے بیٹھی رہی۔ پر آخر اس سے نہ رہا گیا خود پروری اس کی فطرت ثانی بن گئی تھی۔ غصے میں بھری ہوئی آئی اور کامتا ناتھ سے بولی کیا آٹا تین بوری لائے۔ میں نے پانچ بوریوں کے لئے کہا تھا۔ اور گھی بھی پانچ کنستر تمہیں یاد ہے میں نے دس کنستر کہے تھے۔ کفایت کو میں برا نہیں کہتی لیکن جس نے یہ کنواں کھودا۔ اسی کی آتما پانی کو ترسے۔ تو کتنی شرم کی بات ہے۔

کامتا ناتھ نے معذرت نہیں کی۔ معذر گناہ نہیں کیا۔ نادم بھی نہیں ہوا فوراً تقصیر کی تلافی کرنے نہیں دوڑا۔ ایک منٹ تو باغیانہ انداز سے کھڑا رہا۔ پھر بولا ہم لوگوں کی صلاح تین ہی بوروں کی ہوئی۔ اور تین بوروں کے لئے پانچ کنستر گھی کافی تھا اسی حساب

سے اور چیزیں بھی کم کر دی گئیں۔"

پھول متی تیز ہو کر بولی:"کس کی رائے سے آٹا کم کیا گیا؟"

"ہم لوگوں کی رائے سے۔"

"تو میری رائے کوئی چیز نہیں ہے؟"

"ہے کیوں نہیں؟ لیکن اپنا نفع نقصان تو ہم ہی سمجھتے ہیں۔"

پھول متی ہکا بکا ہو کر اس کا منہ تکنے لگی۔ اس جملے کا مطلب اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ اپنا نفع نقصان یہ "اپنا"، کیا بلا ہے؟ اس کا وجود کب سے ہوا؟ اس کے نفع نقصان کی ذمہ داری اس کے سر ہے۔ دوسروں کو خواہ وہ اس کے پیٹ کے لڑکے ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے فیصلے میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ لونڈا اس طرح جواب دے رہا ہے، گویا گھر اس کا ہے اس نے مرمر کر یہ گرہستی جمع کی ہے میں تو غیر ہوں ذرا اس کی خود سری تو دیکھو

اس نے حکمانہ لہجے میں کہا"میرے نفع نقصان کے ذمہ دار تم نہیں ہو مجھے اختیار ہے میں جو مناسب سمجھوں وہ کروں ابھی جا کر دو پورے آٹا اور پانچ کنستر گھی اور لاؤ۔ اور آئندہ سے خبردار جو کسی نے میری بات کاٹی۔"

اس نے اپنے خیال میں ضرورت سے زیادہ تنبیہہ کر دی تھی۔ اور وہاں کھڑے ہونے کی ضرورت نہ سمجھ کر وہ اپنے حجرے میں چلی آئی۔ حالانکہ کامتا ناتھ ابھی وہیں کھڑا تھا اور اس کے چہرے سے ایسا مترشح ہو رہا تھا۔ کہ اسے اس حکم کی تعمیل میں کچھ عذر ہے۔ مگر پھول متی مطمئن بیٹھی تھی۔ اتنی تنبیہہ پر بھی کسی کو اس کی نافرمانی کی جرأت ہو سکتی ہے۔ یہ اس کے ذہن میں نہ آیا۔ مگر رفتہ رفتہ اس پر اب حقیقت کھلنے لگی۔ کہ اس گھر میں اس کی وہ حیثیت نہیں رہی جو دس بارہ روز پہلے تھی رشتہ داروں کے یہاں نوید میں گھی شکر مٹھائی وغیرہ آ رہی تھی بڑی بہو ان چیزوں کو خود خاص انداز سے سنبھال سنبھال کر رکھ رہی تھی۔ تینوں چھوٹی بہوئیں بھی بھنڈار میں گھسی تھیں۔ کوئی بھی پھول متی سے کچھ پوچھنے نہیں آتا۔ برادری کے لوگ بھی

جو کچھ پوچھتے ہیں۔ وہ کامتانا تھ سے کچھ یا بڑی بہو سے کامتانا تھ کہاں کا بڑا اہتمام ہے دن بھر جھنگ پہ بیٹھے پڑا رہتا ہے اور بڑی بہو جیسی پھوہڑ عورت بھلا ان باتوں کو کیا سمجھ سکتی ہے بے بھانہ ہو گی اور کیا سب کے سب خاندان کی ناک کٹوائیں گے۔ وقت پر کوئی نہ کوئی چیز کم ہو جائے گی تب ادھر ادھر بھاگے پھیریں گے۔ ان کاموں کے لئے بڑا تجربہ اور سلیقہ چاہیئے۔ کوئی چیز ضرورت سے زیادہ بن جائے گی۔ اور ماری پھرے گی کوئی چیز اتنی کم بنے گی کہ کسی پتیل پہ پہنچے گی کسی پر نہیں۔ آخر ان سبھوں کو ہو کیا گیا ہے اچھا بڑی بہو سیف کیوں کھول رہی ہے وہ سیف کو میری مرضی کے بغیر کھولنے والی کون ہوتی ہے۔ کنجی اس کے پاس ہے ضرور لیکن جب تک میں روپیہ نکلواؤں وہ صندوق نہیں کھول سکتی آج اس طرح کھول رہی ہے۔ گویا سب کچھ وہی ہے۔ میں کچھ ہوں ہی نہیں۔ اس نے بڑی بہو کے پاس جا کر تند لہجے میں کہا "سیف کیوں کھولتی ہو بہو! میں نے تو کھولنے کو نہیں کہا۔

"بڑی بہو نے بیبا کانہ انداز سے کہا۔ بازار سے سامان آیا ہے تو دام نہ دیئے جائیں "کون چیز کس بھاؤ سے آئی ہے۔ اور کتنی آئی ہے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں" جب تک حساب کتاب نہ ہو جائے روپیہ کیسے دیئے جائیں گے؟"

"حساب کتاب سب ہو گیا۔"

"کس نے کیا؟"

"اب میں کیا جانوں جا کر اپنے لڑکوں سے پوچھو۔"

پھول متی پھر آ کر اپنی کوٹھڑی میں بیٹھ گئی۔ اس وقت بگڑنے کا موقع نہ تھا۔ گھر میں مہمان بھرے ہوئے تھے۔ اگر اس وقت اس نے لڑکوں کو ڈانٹا۔ تو لوگ یہی تو کہیں گے کہ پنڈت کے مرتے ہی ان کے گھر میں پھوٹ پڑ گئی منحوس کا گھونٹ پی پی کر رہ جاتی ہے جب مہمان رخصت ہو جائیں گے تب وہ ایک ایک کی خبر لے گی۔ دیکھے اس وقت لڑکے کیا باتیں بناتے ہیں اس عرصہ میں وہ کار پردازوں کی بے قاعدگیوں اور فضول کاریوں اور غلطیوں کا مبصرانہ نگاہ سے

سے مشاہدہ کر رہی تھی۔ بارہ بجتے دعوت شروع ہوئی۔ ساری برادری کے لوگ یکبار گی، کھانے کے لئے بلا لئے گئے پھول متی کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی۔ صحن میں مشکل سے ڈھائی سو آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ ساری برادری کیسے بیٹھے گی۔ دو پنگتوں میں لوگ بیٹھتے تو کیا برا تھا یہی تو ہوتا کہ دو کی جگہ چار بجے ختم ہوتی۔ مگر یہاں تو سب کو سونے کی فکر پڑی ہوئی ہے دفعتہً شور مچا۔ ترکاریوں میں نمک نہیں۔"

بڑی بہو جلدی جلدی نمک پیسنے لگی۔ پھول متی غصے سے ہونٹ چبا رہی تھی۔ مگر اس موقع پر زبان نہ کھول سکتی تھی۔ بارے نمک پسا اور پتیلیوں میں ڈالا گیا۔

یکایک پھر شور مچا۔ "پانی گرم ہے"

گھر میں برف نہ تھی۔ آدمی بازار دوڑا گیا۔ بازار میں اتنی رات گئے۔ برف کہاں آدمی ناکام لوٹ آیا۔ مہمانوں کو وہی نل کا گرم پانی پینا پڑا پھول متی کا بس چلتا تو لڑکوں کا منہ نوچ لیتی۔ ایسی بدانتظامی اس کے گھر میں کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس پر سب کو مالک اور منتظم بننے کی دھن ہے۔ برف جیسی ضروری چیز منگوانے سے فرصت نہ تھی۔ مہمان اپنے دل میں کیا کہتے ہوں گے۔ دعوت کرنے چلے تھے۔ اور گھر میں برف تک نہیں۔ اچھا پھر کیوں ہل چل مچی، ارے غضب! کسی کے شوربے میں ایک مری ہوئی چھپکلی نکل آئی یا بھگوان اب تمہیں آبرو قائم رکھیو۔ چھی، اس پھوہڑ پن کی بھی کوئی حد ہے!

سارے مہمان اٹھے جارہے ہیں۔ نہ اٹھیں تو کیا کریں۔ آنکھوں سے دیکھ کر مکھی کون نگلے گا۔ پھول متی کے دل میں ایسا ابال اٹھ رہا تھا۔ کہ دیوار سے سر ٹکرا لے جنونانہ حالت میں بار بار سر کے بال نوچتی تھی۔ ابھاگے دعوت کا انتظام کرنے چلے تھے سارا کرا دھرا مٹی میں مل گیا۔ سینکڑوں روپے پر پانی پھر گیا۔ بدنامی ہوئی وہ الگ اب اس سے ضبط نہ ہو سکا مہمان اٹھ چکے تھے۔ پتلوں پر کھانا جوں کا توں پڑا تھا۔ چاروں لڑکے آنگن میں نادم کھڑے تھے ایک دوسرے کو الزام دے رہا تھا۔ بڑی بہو دیورانیوں پر

بگڑ رہی تھی۔ پھول متی شعلے کی طرح ٹوٹ کر آئی اور بولی منہ میں کالک لگ گئی کہ نہیں! یا ابھی کچھ کسر ہے ڈوب مرو سب کے سب جا کر چلو بھر پانی میں شہر میں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے۔ ہفتوں اس دعوت کا چرچا رہے گا۔ مذاق اڑایا جائے گا تم لوگوں کو کچھ شرم و حیا تو ہے نہیں۔ تمہیں کیا! آتما تو اس کی رو رہی ہے۔ جس نے زندگی کو گھر کی آبرو بنانے میں تباہ کر دیا۔"

کامتا ناتھ کچھ دیر تو کھڑا سنتا رہا۔ آخر جھنجھلا کر بولا۔ اچھا اب رہنے دو، اماں غلطی ہوئی ہم سب مانتے ہیں۔ بہت بڑی غلطی ہوئی۔ لیکن اب اس کے لئے آدمیوں کو حلال کر ڈالو گی؟ سبھی سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ پچھتانے کے سوا آدمی اور کیا کر سکتا ہے کسی کی جان تو نہیں ماری جاتی۔ آدمی غلطیوں ہی سے سیکھتا بھی تو ہے۔

بڑی بہو نے فرمایا "ہم کیا جانتے تھے کہ بی بی (نند کملا) سے اتنا ذرا سا کام نہ ہو گا چوہیا ترکاری میں بیٹھی ہو گی۔ انہوں نے ٹوکری کو بغیر دیکھے بھالے کڑھاؤ میں ڈال دیا۔

کامتا ناتھ نے بیوی کو ڈانٹا۔ اس میں نہ کملا کا قصور ہے نہ تمہارا نہ میرا اتفاق ہے اتنے بڑے بھوج میں ایک مٹھی ترکاری کڑھاؤ میں نہیں ڈالی جاتی ٹوکرے کے ٹوکرے انڈیل دیئے جاتے ہیں۔ اس میں کیسی جگ ہنسائی اور کیسی نک کٹائی! تم خواہ مخواہ جلے پر نمک چھڑکتی ہو۔"

پھول متی "شرماتے تو نہیں، الٹے اور بے حیائی کی باتیں کرنے لگے۔"

کامتا ناتھ شرماؤں کیوں کسی کی چوری کی ہے۔ چینی میں چیونٹے اور آٹے میں گھن یہ سب تو نہیں دیکھے جاتے۔ ہماری نگاہ نہ پڑی۔ بس یہی بات بگڑ گئی۔ ورنہ چپکے سے چوہیا پکڑ کر نکال دیتے۔ کسی کو خبر تک نہ ہوتی۔

پھول متی اسی کفر پر استعجاب سے بولی۔ "کیا سب کو چوہیا کھلا کر ان کا دھرم لینا۔

کامتا ناتھ ماں کی طرف نگاہِ ملامت سے دیکھ کر بولا "کیا پرانے زمانے کی باتیں کر

رہی ہو، اماں ان باتوں سے دھرم نہیں جاتا۔ یہ دھرماتما لوگ جو تل سے اٹھ اٹھ کر گئے ہیں ان میں ایسا کون ہے، جو بھیڑ بکری کا گوشت نہ کھاتا ہو۔ تالاب کے کچھوے اور گھونگے تک تو کسی سے بچتے نہیں۔ کیا وہ ذرا سی چوہیا ان سب سے ناپاک ہے۔"

پھول متی کے پاس ایسی کٹ حجتوں کا جواب نہ تھا۔ اپنا سا منہ لے کر چلی گئی۔

(۲)

دو مہینے گذر گئے ہیں۔ رات کا وقت ہے۔ چاروں بھائی بھنگ پی کر کمرے میں بیٹھے مشورہ کر رہے ہیں۔ بڑی بہو بھی اس مجلس میں شریک ہیں۔

کامتا ناتھ نے مسند پر ٹیک کر کہا "میں تو کملا کی شادی میں اپنے حصّے کی ایک پائی بھی نہیں دے سکتا۔ آخر میرے بھی تو بال بچے ہیں۔"

اما ناتھ:۔ تو یہاں کس کے پاس فالتو روپے ہیں۔ پانچ پانچ ہزار ہی تو ایک ایک کے حصّے میں آئے ہیں۔ مجھے اپنا میڈیکل ہال کھولنے کے لئے، کم از کم پانچ ہزار روپے کی ضرورت ہے۔"

دیا ناتھ:۔ مجھے بھی پریس اور اخبار کی فکر ہے۔ پانچ ہزار اپنے ہوں گے تو پانچ ہزار کا کوئی ساجھی اور مل جائے گا۔ میں تو اپنے میں سے ایک کوڑی بھی نہیں دے سکتا۔

کامتا:۔ دادا نے پانچ ہزار جہیز ٹھہرایا تھا۔ اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ پنڈت مراری لال کے لڑکے سے شادی ہو۔ لڑکی قسمت والی ہو تو غریب گھر میں بھی آرام سے رہ سکتی ہے۔ بد نصیب ہو تو راجہ کے گھر میں بھی روتی رہے۔ یہ تو نصیب کا کھیل ہے۔

سیتا نے شرماتے ہوئے کہا "یہ تو مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ طے کی ہوئی سگائی توڑ دی جائے۔ ان سے کہا جائے کہ پانچ ہزار کی جگہ، تین ہزار لے لیں اس طرح پانچ ہزار میں شادی ہو سکتی ہے۔ میں اپنے حصّے کے سب روپے دے دوں گا۔"

کامتا ناتھ نے کھسیا کر بھائیوں سے کہا "سنتے ہو اس کی باتیں"

اُما: "جب ٹھوکریں کھاؤ گے تو آنکھیں کھلیں گی۔"

کامتا: "اتنا یاد رکھو کہ ہم لوگ تمہاری تعلیم کے ذمہ دار نہیں ہیں۔"

سیتا: "جی ہاں، یاد ہے۔"

اُما: "اور جو کہیں تمہیں ولایت جا کر پڑھنے کے لئے کل وظیفہ مل جائے تو سوٹ بوٹ اور سفر خرچ کے لئے روپیہ کہاں سے لاؤ گے۔ اس وقت کس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھرو گے؟"

کامتا: "اور وظیفہ تمہیں ملے گا۔ کہو میں آج لکھ دوں۔"

اس دلیل نے سیتا ناتھ کو بھی توڑ لیا۔ فی الواقع اگر اسے سرکاری وظیفہ مل گیا تو چار یا پانچ ہزار تیاریوں کے لئے درکار ہوں گے۔ کملا کے لئے وہ اتنی بڑی مہربانی ہرگز نہیں کر سکتا کہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی آرزو کو پامال کر دے۔

بولا: "ہاں ایسی حالت میں تو مجھے بھی روپے کی ضرورت پڑے گی۔"

کامتا: "تو اس کی ایک صورت یہی ہے کہ کملا کی شادی کم سے کم خرچ میں کر دی جائے ایک ہزار سے زیادہ ہم کسی طرح خرچ نہیں کر سکتے۔ پنڈت دین دیال کیسے رہیں گے؟ ایم۔ اے۔ بی۔ اے۔ نہ سہی مجانی سے ان کی آمدنی پچاس روپے ماہوار سے کم نہیں۔ عمر بھی ابھی چالیس سال سے زیادہ نہ ہو گی۔ پچھلے سال ہی تو بیوی مری ہے مجھے یقین ہے کہ وہ بغیر جہیز کے راضی ہو جائیں گے۔"

اُما: "وہاں جہیز کا کوئی سوال نہیں۔ تیسری شادی ہے۔"

کامتا: "یہ نہ کہو۔ وہ آج چاہیں تو دو ہزار پا سکتے ہیں۔ مگر ہمارے ساتھ کچھ دب جائیں گے۔ تو یہی صلاح ہے کہ مراری لال کو جواب دیا جائے۔ اور دین دیال کے ساتھ سگائی طے کی جائے۔"

دیا: "اماں سے بھی پوچھ لینا چاہیئے۔"

کامتا: اماں سے پوچھنا بے کار ہے۔ ان کی تو جیسے عقل گھاس کھا گئی ہے۔ وہی پرانے وقتوں کی باتیں! امراری لال کے نام پر ادھار کھائے بیٹھی ہیں۔ یہ نہیں سمجھتیں کہ وہ زمانہ نہیں رہا۔"

اما: وہ مانیں گی نہیں۔ اپنے زیور بیچکر شادی کریں گی۔ دیکھ لیجئے گا۔"

کامتا: "ہاں یہ ممکن ہے۔ زیور دن پر ان کا پورا اختیار ہے۔ یہ ان کا استری دھن ہے۔ وہ جو چاہیں کرسکتی ہیں۔"

دیانا تھ: "استری دھن ہے تو کیا اسے لٹا دیں گی؟ آخر وہ بھی تو دادا ہی کی کمائی ہے

کامتا: "کسی کی کمائی ہو استری دھن عورت کی چیز ہے۔"

اما: یہ سب فانی گورکھ دھندے ہیں۔ استری دھن کوئی چیز نہیں۔ گہنے دس بیس ہزار سے کم کے نہیں ہیں۔ اتنی بڑی رقم ہم کھو دینے کے لئے تیار نہیں ہیں کسی بہانے سے یہ گہنے اپنے ہاتھ میں کرنے ہوں گے۔ ابھی دین دیال کا ذکر نہ کرو ورنہ تاڑ جائیں گی۔ گہنے اپنے پاس آجائیں۔ تو صاف صاف کہہ دو تب کیا کرلیں گی۔"

دیا: ہاں یہ ترکیب اچھی ہے۔"

کامتا: "مجھے تو دھوکہ کی چال اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ جس چیز پر ہمارا حق ہے اس کے لئے ہم لڑ سکتے ہیں۔ جس پر ہمارا حق نہیں، اس کے لئے ہم دھوکا دھڑی نہیں کرسکتے۔"

دیانا تھ: "تو آپ الگ بیٹھے رہیں جا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایک اخبار میں مضمون لکھا تھا۔ اس پر سرکار مقدمہ چلا رہی ہے۔ پانچ ہزار کی ضمانت دینی پڑے گی۔ آپ اپنے زیور دے دیں تو میری جان بچ جائے گی۔ آپ لوگ بھی کچھ نمک مرچ ملا دیجئے گا۔"

کامتا: "نا بھیا، میں اس کام کے قریب نہ جاؤں گا۔"

سیتا: "میرا بھی استعفا ہے۔"

اماں: "ان لوگوں کو جانے دو جی۔ ہم اور تم مل کر رنگ جمالیں گے۔ یہ دھرماتما لوگ ہیں، بھیا نوکر ہی ہیں۔ سیتا کو وظیفہ ملنے والا ہے۔ ضرورت تو ہمیں اور تمہیں ہے۔"

بڑی بہو نے فرمایا۔ "پچاس روپے کے ہی تو نوکر ہیں یا اور کچھ؟ اتنے دن مجھے آئے ہو گئے۔ پیتل کا ایک چھلا بھی نہ بنوایا۔ توفیق ہی نہ ہوئی۔ آج دھرماتما بنتے ہیں۔"

اماں: "اماں کے زیور مل جائیں گے تو ان کا ہار نہیں دے دوں گا بھائی خاطر جمع رکھو۔"

بڑی بہو: "مل چکے، وہ گڑ نہیں جو چیونٹے کھائیں۔"

دیا: "اچھا تو اسی بات پر ابھی جاتا ہوں۔ زیور لے کر نہ آؤں تو منہ نہ دکھاؤں۔"

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ دیا ناتھ کی کوڑی چت پڑی۔ ماں کا مامتا بھرا دل بیٹے کی مصیبت دیکھ کر کیوں نہ پسیجتا۔ پھول متی یہ داستان سنتے ہی باؤلی ہو گئی اس پر املنا تھ نے اور بھی رو اجمایا۔ "اگر صبح دس بجے تک روپے داخل نہ ہوئے۔ تو ہتھکڑیاں پڑ جائیں گی۔ بنک سے روپے تو ابھی نہیں مل سکتے۔ مہینوں خط و کتابت ہو گی، وراثت کا فیصلہ ہو جائے گا تب کہیں جا کر روپے ملیں گے۔ پھول متی کو یہ کب برداشت ہو سکتا تھا کہ اس کے زیوروں کے ہوتے اس کے بیٹے کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ جائیں۔ سارے زیور نکال کر دیا ناتھ کو دے دیئے۔ اس طرح اپنی ماں کی گردن پر خنجر چلا کر دونوں ناخلف خوش خوش بھابیوں کے پاس لوٹ آئے۔

(۴)

دو تین مہینے اور گذر گئے۔ زیوروں پر تصرف کر کے چاروں بھائی اب ماں کی دلجوئی کرنے لگے۔ اپنی بیویوں کو سمجھاتے رہتے۔ کہ اماں کا دل نہ دکھائیں۔ اگر اس کی تشفی تھوڑی سی ظاہر داری سے ہو جاتی ہے تو اس میں کیوں کمی کی جائے اور چاروں کرتے اپنے دل کی مگر ماں سے صلاح لے لیتے۔ یا ایسا جال پھیلاتے کہ وہ ان کی باتوں میں آجاتی۔ اور ہر ایک

بات میں رضامند ہو جاتی باغ کا فروخت کرنا اُسے بہت ناگوار گذرتا تھا۔ لیکن چاروں نے ایسی بندشیں باندھیں کہ وہ اسے بیع کرنے پر راضی ہو گئی۔ ہاں کملا کی شادی کے معاملے میں بیٹوں سے اس کا اتفاق نہ ہوا۔ وہ کہتی تھی کہ شادی مراری لال کے لڑکے سے ہی ہوگی۔ چاروں بھائی پنڈت دین دیال سے کرنا چاہتے تھے۔ ایک دن اس بات پر تکرار کی نوبت آ گئی۔

پھول متی نے کہا "ماں باپ کی کمائی میں کیا بیٹی کا حصہ نہیں ہے۔ تمہیں دس ہزار کا ایک باغ ملا۔ پچیس ہزار کا مکان، بیس ہزار نقد میں سے کیا پانچ ہزار بھی کملا کا حصہ نہیں ہے؟"

کامتا ناتھ نے نرمی سے کہا "اماں کملا ہماری بہن ہے۔ اور ہم اپنے مقدور بھر کوئی ایسی بات نہ کریں گے جس سے اسے نقصان ہو لیکن حصے کی جو بات کہتی ہو تو کملا کا حصہ کچھ نہیں ہے۔ دادا جب زندہ تھے، تب اور بات تھی۔ اب تو ہمیں ایک ایک پیسے کی کفایت کرنا پڑے گی۔ جو کام ایک ہزار سے ہو جائے۔ اس کے لئے پانچ ہزار خرچ کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔

اما ناتھ نے تصحیح کی "پانچ ہزار کیوں صاحب دس ہزار کہئے، دعوت دنیا فت رسم و رسوم میں کیا پانچ ہزار بھی خرچ نہ ہوں گے۔"

کامتا "ہاں ٹھیک ہے، دس ہزار ہی سمجھو۔ دس ہزار روپے ایک شادی میں خرچ کرنے کی اب ہماری حیثیت نہیں ہے۔

پھول متی نے ضد پکڑ کر کہا" شادی تو مراری لال کے لڑکے سے ہی ہوگی چاہے پانچ ہزار خرچ ہوں چاہے دس ہزار۔ میرے شوہر کی کمائی ہے میں نے مر مر کر جوڑا ہے اپنی مرضی سے خرچ کروں گی۔ تم سے مانگنے جاؤں تو مت دینا۔"

کامتا ناتھ کو اب تلخ حقیقت کے اظہار کے سوا چارہ نہ رہا۔ بولے اماں تم

خواہ مخواہ بات بڑھاتی ہو۔ جس روپے کو آپ تم اپنا سمجھتی ہو۔ وہ تمہارا نہیں ہے۔ وہ ہمارا ہے۔ ایک ایک پائی ہماری ہے۔ تم ہماری مرضی کے بغیر اس میں سے کچھ خرچ نہیں کر سکتیں۔"

پھول متی کو جیسے سانپ نے ڈس لیا بولی "کیا کہا پھر تو گویا میں اپنے ہی روپے اپنی مرضی سے خرچ نہیں کر سکتی؟"

کامتا "وہ روپے تمہارے نہیں ہمارے ہیں۔"

پھول متی "تمہارے ہوں گے۔ لیکن میرے مرنے کے بعد؟"

کامتا "نہیں دادا کے مرتے ہی سب کچھ ہمارا ہو گیا۔"

اُما "اماں قانون تو جانتی نہیں۔ خواہ مخواہ الجھتی ہیں۔"

پھول متی کی بے نور آنکھیں شعلے کی طرح دہک اٹھیں۔ چہرہ لال ہو گیا۔ بولی "تمہارا قانون بھاڑ میں جائے۔ ایسے قانون میں آگ لگے۔ میں ایسے لچر قانون کو نہیں مانتی یہ قانون ہے کہ گلے پر چھری پھیرنا ہے۔ تمہارے دادا ایسے کوئی دھنا سیٹھ نہ تھے۔ میں نے پیٹ اور تن کاٹ کر یہ روپے جمع کئے ہیں۔ نہیں تو آج اس گھر میں دھول اڑتی ہوتی گھر ہی کہاں ہوتا۔ میرے جیتے جی تم میرے روپے چھو نہیں سکتے۔ میں نے تم چاروں بھائیوں کی شادی میں دس دس ہزار روپے خرچ کئے ہیں۔ تمہاری پڑھائی میں بھی پانچ پانچ ہزار سے کم خرچ نہ ہوئے ہوں گے۔ کملا بھی تو میرے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے۔ اس کی شادی میں بھی دس ہزار خرچ کروں گی جو کچھ بچے گا تم لے لینا۔"

اما ناتھ نے جھلا کر کہا "بھائی صاحب آپ ناحق اماں کے منہ لگتے ہیں چل کر مراری لال کو خط لکھ دیجئے۔ یہ قاعدہ قانون تو جانتی نہیں، بے کار بحث کرتی ہیں۔"

پھول متی نے ضبط کر کے کہا "اچھا کیا قانون ہے۔ ذرا میں بھی سنوں۔"

اُما "قانون یہی ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد ساری جائیداد بیٹوں کی ہو جاتی ہے۔

ماں کا حق صرف گزارہ لینے کا ہے۔"

پھول متی نے پوچھا "کس نے بتایا ہے ایسا قانون؟"

اما "ہمارے رشیوں نے، مہاراج منو نے اور کس نے؟"

پھول متی ایک لمحہ خاموش رہ کر بولی "تو میں اس گھر میں آپ کے ٹکڑوں پر پڑی رہوں

اما "تم جیسا سمجھو۔"

پھول متی "گھر میں نے بنوایا ہے۔ روپے میں نے جوڑے، باغ میں نے خریدا اور آج اس گھر میں غیر ہوں؟ منو نے یہ قانون بنایا ہے؟ اچھی بات ہے۔ اپنا گھر بار لو میری جان چھوڑ دو۔ اس طرح محتاج بن کر رہنا مجھے منظور نہیں۔ اس سے کہیں اچھا ہے کہ مر جاؤں واہ رے اندھیر میں نے ہی درخت لگایا اور میں ہی اس کا پتہ نہیں توڑ سکتی میں نے گھر بنوایا، میں ہی اس میں نہیں رہ سکتی۔ اگر یہی قانون ہے تو اس میں آگ لگ جائے اگر میں جانتی کہ میری یہ درگت ہونے والی ہے تو ساری جائداد اپنے نام کرا لیتی۔

چاروں نوجوانوں پر ماں کی تندی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ قانون کا فولادی زرہ ان کی حفاظت کر رہا تھا اس کچے لوہے کا ان پر کیا اثر ہوتا۔

شام ہو گئی تھی، دروازے پر نیم کا درخت سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کے پتوں میں بھی جنبش نہ تھی۔ رخصت ہونے والے آفتاب کی ٹھنڈی کرنیں جیسے جائے پناہ ڈھونڈتی پھرتی تھیں۔ پھول متی آہستہ سے اٹھ کر اپنی کوٹھڑی میں چلی گئی۔

(۴)

پھول متی اپنے کمرے میں جا کر لیٹی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے شوہر کے مرتے ہی اپنے پیٹ کے جنے لڑکے اس کے دشمن ہو جائیں گے اس کا اسے کبھی خواب میں بھی گمان نہ ہوا تھا۔ جن لڑکوں کو اس نے خونِ جگر پلا پلا کر پالا جن پر اسے غرور تھا۔ وہی آج اسے یوں آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ واہ رے زمانے کی

خودبی اب اس گھر میں رہنا اُسے عذاب معلوم ہوتا تھا۔ جہاں اس کی کچھ قدر نہیں۔ کچھ گنتی نہیں وہاں لاوارثوں کی طرح پڑی روٹیاں کھائے۔ یہ اس کی خوددار طبیعت کے لئے حددرجہ گراں تھا۔ مگر چارہ ہی کیا تھا۔ وہ لڑکوں سے الگ ہوکر رہے بھی تو کس کی ناک کٹے گی۔ زمانہ اُسے تھوکے تو کیا اور لڑکوں کو تھوکے تو کیا۔ بدنامی تو اسی کی ہے۔ دنیا تو یہی کہے گی کہ چار جوان بیٹوں کے ہوتے بڑھیا الگ پڑی ہوئی ہے۔ مزدوری کرکے پیٹ پال رہی ہے جنہیں اس نے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا۔ وہی اب اس پر ہنسیں گے نہیں یہ ذلت اس بے کسی کی ذلت سے کہیں زیادہ دل شکن تھی اب اسے اپنے کو ایک نئے طرز عمل کا عادی بنانا پڑے گا۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اب اسے نئے ماحول کے اندر زندگی بسر کرنی ہوگی اب تک مالکن بن کر رہی اب لونڈی بن کر رہنا پڑے گا۔ ایشور کی یہی مرضی ہے۔ اپنے بیٹوں کی لاتیں اور باتیں غیروں کی لاتوں باتوں کے مقابلے میں پھر بھی غنیمت ہیں وہ بڑی دیر تک منہ ڈھانپے اپنی اس بے کسی پر روتی رہی۔ ساری رات اسی روحانی کوفت میں گذر گئی۔

جاڑوں کی صبح، آہستہ آہستہ ڈرتی ڈرتی تاریکی کے پردے سے نکلی جیسے کوئی قیدی چھپ کر جیل سے نکل آیا ہو۔ پھول متی معمول کے خلاف آج تڑکے ہی اُٹھی رات بھر اس کا روحانی تناسخ ہو چکا تھا۔ سارا گھر سو رہا تھا اور وہ آنگن میں جھاڑو لگا رہی تھی۔ رات بھر شبنم میں بھیگی ہوئی پختہ زمین اس کے ننگے پیروں میں کانٹوں کی طرح چبھ رہی تھی پنڈت زندہ تھے تب اُسے بہت سویرے نہ اُٹھنے دیتے تھے۔ ٹھنڈا اسے بہت مضر تھی۔ مگر اب وہ دن نہیں رہے۔ جھاڑو سے فرصت پا کر اس نے آگ جلائی۔ اور کنکریاں چننے لگی۔ رفتہ رفتہ لڑکے جاگے بہوئیں اُٹھیں۔ سبھوں نے بڑھیا کو سردی سے سکڑتے ہوئے کام کرتے دیکھا۔ پر کسی نے یہ نہ کہا کہ اماں کیوں ہلکان ہوتی ہو۔ شاید وہ بڑھیا کی اس بیکسی پر دل میں خوش ہو رہے تھے۔

آج سے پھول متی کا یہی وطیرہ ہو گیا کہ جو کچھ بن پڑے گھر کا کام کرنا سارے گھر کی خدمت کرنا اور انتظامی امور سے الگ رہنا اس کے چہرے پر جو ایک خودداری کی جھلک نمایاں تھی۔ اس کی جگہ ایک حسرت ناک بے بسی چھائی ہوئی نظر آتی تھی جہاں بجلی جلتی تھی۔ وہاں اب تیل کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ جس کے بجھانے کے لئے ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا کافی تھا۔

بھائیوں نے طے شدہ تجویز کے مطابق مراری لال کو انکاری خط لکھ بھیجا۔ دین دیال سے کملا کی شادی ہو گئی دین دیال کی عمر چالیس سال سے کچھ زیادہ تھی اور خاندانی وجاہت میں ہیٹے تھے لیکن روٹی دال سے خوش تھے۔ بغیر کسی قرارداد کے شادی کر لی۔ تاریخ مقرر ہوئی۔ بارات آئی، شادی ہوئی، کملا رخصت ہو گئی۔ کملا کے دل پر کیا گذر رہی تھی۔ اسے بھی کون جان سکتا ہے۔ لیکن چاروں بھائی بے حد خوش تھے گویا ان کے پہلو سے کانٹا نکل گیا ہو۔ شریف خاندان کی لڑکی گھر والوں کی رضا میں راضی تھی۔ تقدیر میں آرام لکھا ہو گا۔ آرام کرے گی، تکلیف لکھی ہو گی۔ تکلیف اٹھائے گی۔ گھر والوں نے جس سے شادی کر دی۔ اس میں ہزار عیب ہوں۔ تو یہی اس کا معبود، اس کا مالک، انحراف اس کے وہم و گمان سے باہر تھا۔

پھول متی نے کسی کام میں دخل نہ دیا۔ کملا کو کیا دیا گیا۔ مہمانوں کی خاطر مدارت کی گئی کس کے ہاں سے نوید میں کیا آیا اُسے کسی امر سے سروکار نہ تھا۔ اس سے کچھ صلاح بھی لی گئی تو یہی کہا کہ بیٹا تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اچھا ہی کرتے ہو۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ جب کملا کے لئے دروازے پر ڈولی آ گئی اور کملا ماں کے گلے لپٹ کر رونے لگی تو وہ اُسے اپنی کوٹھڑی میں لے گئی۔ اور جو کچھ سو پچاس روپے، اور دو چار زیور اس کے پاس رہے تھے۔ بیٹی کے آنچل میں ڈال کر بولی: "بیٹی میری تو دل کی دل ہی میں رہ گئی، نہیں تو آج کیا تمہاری شادی اس طرح ہوتی اور تم اس طرح بدا کی جاتیں۔"

کملا نے زیور اور روپے آنچل سے نکال کر ماں کے قدموں پر رکھ دیئے اور بولی اماں میرے لئے تمہاری آشیرباد لاکھوں روپوں کے برابر ہے۔ تم ان چیزوں کو اپنے پاس رکھو۔ نہیں معلوم ابھی تمہیں کن کن مصیبتوں کا سامنا پڑے۔" پھول متی کچھ کہنا چاہتی تھی۔ کہ اماناتھ نے آکر کہا۔ "کیا کر رہی ہو۔ کملا چل جلدی کر ساعت ٹلی جاتی ہے۔ وہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں۔ پھر تو دو چار مہینے میں آئے گی ہی۔ جو کچھ لینا دینا ہو لے لینا
پھول متی نے دل کو سنبھال کر کہا۔ "میرے پاس اب کیا ہے، بیٹا جو میں اسے دوں گی جاؤ بیٹی بھگوان سہاگ امر کریں۔"
کملا رخصت ہوگئی، پھول متی پچھاڑ کھا کر گر پڑی۔

(۵)

ایک سال گذر گیا۔ پھول متی کا کمرہ گھر میں سب کمروں سے وسیع اور ہوا دار تھا۔ اس نے اسے بڑی بہو کے لئے خالی کر دیا اور ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں رہنے لگی جیسے کوئی بھکارن ہو۔ لڑکوں اور بہوؤں سے اب اُسے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اب گھر کی لونڈی تھی گھر کے کسی فرد سے کسی معاملے سے اسے دلچسپی نہ تھی۔ وہ زندہ صرف اس لئے تھی کہ اُسے موت نہ آتی تھی۔ خوشی یا رنج کا اس کے اوپر کوئی اثر نہ تھا اماناتھ کا مطب کھلا۔ احباب کی دعوت ہوئی۔ دیاناتھ نے اخبار جاری کیا پھر جلسہ ہوا۔ سیتاناتھ کو وظیفہ ملا وہ ولایت پڑھنے گیا۔ پھر جشن ہوا۔ کامتاناتھ کے بڑے لڑکے کا یگیوپویت ہوا۔ خوب دھوم دھام ہوئی۔ پھول متی کے چہرے پر مسرت کی خفیف سی جھلک بھی نظر نہ آئی۔ اماناتھ "ٹائیفائڈ" میں مہینہ بھر بیمار رہے دیاناتھ نے ایک مضمون لکھا اور دفعہ ۱۲۴ میں چھ مہینے کے لئے جیل چلے گئے۔ اماناتھ نے ایک معاملے میں رشوت لے کر غلط رپورٹ لکھی اور سال بھر کیلئے معطل کر دیئے گئے پھول متی کے چہرے پر رنج کی پرچھائیں تک نہ پڑی۔ اس کی زندگی میں کسی قسم کی دلچسپی

کوئی آرزو، کوئی فکر نہ تھی۔ بس چوپایوں کی طرح کام کرنا اور کھانا، یہی اس کی زندگی کے دو کام تھے۔ جانور مارنے سے کام کرتا ہے۔ مگر کھاتا ہے دل سے۔ وہ بے کہے کام کرتی تھی مگر کھاتی تھی زہر کے نوالوں کی طرح۔ مہینوں سر میں تیل نہ پڑتا۔ مہینوں کپڑے نہ دھلتے، کچھ پروا نہیں، اس میں احساس ہی گویا فنا ہو گیا تھا۔

ساون کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ ملیریا پھیل رہا تھا۔ آسمان پر مٹیالے بادل زمین پر مٹیالا پانی، نم ہوا سینوں میں بلغم اور کف بھرتی پھرتی تھی۔ جہری اور کہارن دونوں بیمار پڑ گئے۔ پھول متی نے گھر کے سارے برتن مانجھے۔ پانی میں بھیگ بھیگ کر سارا کام کیا۔ آگ جلائی۔ پتیلیاں چڑھادیں اور گنگا سے پانی لانے چلی۔ کامتا ناتھ روزانہ گنگا جل پیتے تھے۔ نل کا پانی انہیں موافق نہ تھا۔

کامتا ناتھ نے چارپائی پر بیٹھے بیٹھے کہا۔ "رہنے دو اماں، میں پانی بھر لاؤں گا کہار اور جہری آج دونوں غائب ہیں۔"

پھول متی نے مٹیالے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم بھیگ جاؤ گے بیٹا سردی ہو جائے گی۔"

"تم بھی بھیگ رہی ہو، کہیں بیمار نہ پڑ جاؤ۔"

"میں بیمار نہیں پڑوں گی مجھے بھگوان نے امر کر دیا ہے۔"

اما ناتھ بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے مطب میں کچھ نفع نہ ہوتا تھا۔ اس لئے بہت پریشان رہتا تھا۔ "جانے بھی دو بھیا بہت دنوں بہوؤں پر حکومت کر چکی ہے اس کا خمیازہ اٹھانے دو۔"

گنگا بڑھی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا۔ سمندر ہے۔ افق پانی کے ساحل سے ملا ہوا تھا۔ کنارے کے درختوں کی صرف پھنگیاں پانی کے اوپر نظر آتی تھیں پھول متی کلسا لئے ہوئے سیڑھیوں کے نیچے اتری۔ پاؤں پھسلا۔ سنبھل نہ سکی، پانی میں گر

پڑی کا پل بھر ہاتھ پاؤں چلائے پھر لہریں اُسے نیچے کھینچ لے گئیں۔ کنارے پر دو چار پنڈت چلائے "ارے بڑھیا ڈوبی جاتی ہے" دو چار آدمی دوڑے بھی۔ لیکن پھول متی لہروں میں سما گئی تھی۔ ان بل کھاتی ہوئی لہروں میں جنھیں دیکھ کر ہی انسان سہم اٹھتا ہے ایک نے پوچھا:

"یہ کون بڑھیا تھی؟"

"ارے وہی پنڈت اجودھیا ناتھ کی بیوہ ہے۔"

"اجودھیا ناتھ تو بہت بڑے آدمی تھے۔"

"ہاں اس کی تقدیر میں ٹھوکر کھانا لکھا تھا۔"

"اس کے تو کئی لڑکے بڑے بڑے ہیں، اور سب کماتے ہیں۔"

"ہاں سب ہیں بھائی، مگر تقدیر بھی تو کوئی چیز ہے۔"

شانتی

مرحوم دیوناتھ میرے دوستوں میں سے تھے۔ جب ان کی یاد آجاتی ہے تو وہ رنگ رلیاں آنکھوں میں پھر جاتی ہیں اور کہیں تنہائی میں جاکر ذرا دیر رو لیتا ہوں۔ میرے اور ان کے درمیان دو ڈھائی سو میل کا فاصلہ تھا۔ میں لکھنؤ میں تھا وہ دہلی میں۔ لیکن شاید ہی کوئی ایسا مہینہ جاتا کہ ہم آپس میں نہ مل لیتے ہوں۔ وہ نہایت شریف، محبت نواز اور دوستوں پر جان دینے والے آدمی تھے جنہوں نے اپنے اور پرائے میں کبھی امتیاز نہیں کیا۔ دنیا کیا ہے اور یہاں شرافت و محبت کا صلہ کیا ملتا ہے۔ انہوں نے کبھی نہ جانا اور نہ جاننے کی کوشش کی۔ ان کی زندگی میں کئی ایسے موقع آئے جب انہیں آئندہ کے لئے ہوشیار ہو جانا چاہیئے تھا۔ دوستوں نے ان کی صاف دلی سے نامناسب فائدہ اٹھایا، اور کئی مرتبہ انہیں شرمندہ بھی ہونا پڑا۔ لیکن اس بھلے آدمی نے زندگی سے سبق لینے کی قسم کھائی تھی۔ ان کے طرز عمل میں کوئی تبدیل نہ ہوئی۔ جیسے بھولاناتھ جیئے ویسے ہی بھولاناتھ مرے۔

جس دنیا میں وہ رہتے تھے۔ وہ نرالی دنیا تھی جس میں بدگمانی و چالاکی اور بغض و حسد کے لئے گنجائش نہ تھی۔ سب اپنے تھے۔ کوئی غیر نہ تھا۔ میں نے بار بار انہیں متنبہ کرنا چاہا۔ لیکن اس کا نتیجہ امید کے خلاف برآمد ہوا۔ زندگی کے خوابوں کو پریشان کرتے ہوئے ان کا دل دکھتا تھا مجھے کبھی فکر ہوتی تھی کہ انہوں نے ہاتھ بند نہ کیا۔ تو نتیجہ کیا ہوگا مصیبت یہ تھی کہ ان کی بیوی گویا بھی کچھ اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ ہماری دیویوں میں جو ایک مآل اندیشی ہوتی ہے۔ اور اکثر مردوں

کی غیر مآل اندیشیوں کے لئے بنک کا کام کرتی ہیں۔ اس سے گوپا محروم تھی۔ یہاں تک کہ اُسے کپڑوں اور زیوروں کا بھی شوق نہ تھا۔

جب مجھے دیونا تھ کے انتقال کی خبر ملی اور میں بھاگا ہوا دہلی گیا۔ تو گھر میں برتن بھانڈے کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا۔ ابھی مرحوم کی عمر ہی کیا تھی۔ جو زیادہ فکر کرتے پورے چالیس کے بھی تو نہ ہوئے تھے۔ یوں تو لڑکپن ان کی سرشت میں داخل تھا۔ لیکن اس عمر میں سب ہی لوگ بے فکر ہوتے ہیں پہلے ایک لڑکی ہوئی تھی۔ اس کے بعد دو لڑکے ہوئے دونوں لڑکے تو بچپن ہی میں داغ دے گئے۔ لڑکی بچ رہی تھی۔

جس طرز معاشرت کے وہ عادی تھے۔ اسے دیکھتے ہوئے اس مختصر کنبے کے لئے دو سو روپے ماہوار کی ضرورت تھی۔ دو تین سال میں لڑکی کا بیاہ بھی کرنا ہوگا۔ ایسے کیا ہوگا۔ میری عقل کام نہ کرتی تھی۔

اس موقع پر مجھے یہ بیش قیمت تجربہ ہوا کہ جو لوگ خدمت خلق کرتے ہیں اور ذاتی مفاد کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں سمجھتے۔ ان کے پس ماندوں کو آڑ دینے والوں کی کبھی کمی نہیں رہتی۔ یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ کیوں کہ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے۔ جنہوں نے زندگی میں بہتوں کے ساتھ سلوک کئے۔ لیکن ان کے بعد ان کے بال بچوں کی کسی نے بات تک نہ پوچھی لیکن چاہے کچھ ہو دیونا تھ کے دوستوں نے شرافت سے کام لیا اور گوپا کی بسر اوقات کے لئے روپیہ جمع کرنے کی تجویز کی۔ ایک صاحب جو رنڈوے تھے۔ اس سے بیاہ کرنے کو بھی تیار تھے۔ لیکن گوپا نے بھی اسی جذبے کا اظہار کیا جو ہماری دیویوں کا جوہر ہے اور تجویز کو رد کر دیا۔ مکان بہت بڑا تھا اس کا ایک حصہ کرائے پر اٹھا دیا۔ اس طرح اس کو پچاس روپے ماہوار ملنے لگے۔ وہ استنے ہی میں اپنا نباہ کرے گی۔ جو کچھ خرچ تھا وہ اسی کی ذات سے تھا۔

اس کے ایک مہینے بعد مجھے کاروبار کے سلسلے میں غیر ممالک جانا پڑا اور وہاں

میرے اندازے سے کہیں زیادہ دو سال لگ گئے۔ گوپا کے خط برابر جاتے رہتے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آرام سے ہے۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ گوپا نے مجھے بے خبر سمجھا اور صحیح حالت چھپاتی رہی۔

پردیس سے لوٹ کر میں سیدھا دہلی پہنچا۔ دروازے پر پہنچتے ہی مجھے رونا آگیا موت کی افسردگی سی طاری تھی۔ جس کمرے میں دوستوں کے جمگھٹ رہتے تھے اس کے دروازے بند تھے۔ مکڑیوں نے چاروں طرف جالے تان رکھے تھے۔ پہلی نظر میں تو شبہ ہوا کہ دیوتا تھ دروازے پر کھڑے میری طرف دیکھ کر کچھ کہہ رہے ہیں۔ میں توہم پرست نہیں ہوں اور اجسام روحانی کا بھی قائل نہیں۔ لیکن اس وقت میں ایک بار چونک ضرور پڑا۔ دل میں ایک لرزش سی محسوس ہوئی لیکن دوسری نظر میں یہ خیالی تصویر مٹ چکی تھی۔ دروازہ کھلا۔ گوپا کے سوا کھولنے والا ہی کون تھا؟

میں نے اُسے دیکھ کر دل تھام لیا۔ اُسے میرے آنے کی اطلاع تھی اور اس نے میرے استقبال کے لئے نئی ساڑی پہن لی اور شاید بال بھی گوندھ لئے تھے پران دو برسوں میں وقت نے اس پر جو مظالم ڈھائے تھے انہیں وہ کیا کرتی؟ عورتوں کی زندگی میں یہ وہ عمر ہے جب حسن و شباب اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ جب اس میں الھڑپن، شرم اور بے اعتنائی کی جگہ لگاوٹ، خوش ادائی اور دل آویزی آجاتی ہے۔ لیکن گوپا کی جوانی ختم ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے پر جھریاں تھیں۔ بالوں میں سفیدی آگئی تھی۔

میں نے پوچھا "کیا تم بیمار تھیں گوپا؟"

اس نے آنسو پی کر کہا "نہیں تو میرے تو کبھی سر میں درد بھی نہیں ہوا"

"تو تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ بالکل بوڑھی ہوگئیں"

"تو اب جوانی سے کر کرنا ہی کیا ہے؟ میری عمر بھی تو بتیس سے اوپر ہو گئی۔"

"یہ عمر تو زیادہ نہیں ہوتی۔"

"ہاں اُن کے لئے جو بہت جینا چاہتے ہوں۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ جتنی جلد ہو سکے زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ بس سنتی کے بیاہ کی فکر ہے۔ اس سے چھٹی پا جاؤں پھر مجھے زندگی کی پروا نہ رہے گی۔"

اب معلوم ہوا کہ جو صاحب اس مکان میں کرایہ دار تھے وہ تھوڑے دنوں بعد تبدیل ہو کر چلے گئے اور تب سے کوئی دوسرا کرایہ دار نہ آیا۔ میرے دل میں برچھی سی چبھ گئی۔ اتنے دنوں ان بے چاروں نے کس طرح بسر کی۔ خیال ہی دردناک تھا۔

میں نے متاسف ہو کر کہا "لیکن تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟ کیا میں بالکل غیر ہوں؟"

گوپا نے شرمندہ ہو کر کہا "نہیں نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ تمہیں غیر سمجھوں گی تو اپنا کسے سمجھوں گی؟ میں نے سوچا پردیس میں تم خود اپنے جھمیلے میں پڑے ہو گے تمہیں کیا ستاؤں کسی نہ کسی طرح دن کٹ ہی گئے گھر میں اور کچھ نہ تھا تو تھوڑے سے گہنے تھے ہی۔ اب سنتی کے بیاہ کا فکر ہے پہلے میں نے سوچا تھا کہ اس مکان کو الگ کر دوں گی بیس بائیس ہزار روپے مل جائیں گے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ مکان پہلے ہی رہن ہو چکا ہے۔ اور سود ملا کر اس پر بیس بائیس ہزار روپے ہو گئے ہیں۔ مہاجن نے اتنی ہی دیا کیا کم کی کہ مجھے گھر سے نکال نہیں دیا۔ ادھر سے تو اب کوئی امید نہیں۔ بہت ہاتھ پاؤں جوڑنے پر شاید مہاجن سے دو ڈھائی ہزار روپے اور مل جائیں۔ اتنے میں کیا ہو گا؟ اسی فکر میں گھلی جا رہی ہوں لیکن میں بھی کتنی مطلبی ہوں۔ نہ تمہیں ہاتھ منہ دھونے کو پانی دیا نہ کچھ ناشتہ کو لائی۔

اور اپنا دکھڑا اسے بیٹھی۔ اب آپ کپڑے اتار دیجئے اور آرام سے بیٹھئے کچھ کھانے کو لاؤں۔ کھا لیجئے تب باتیں ہوں گی۔ گھر میں تو سب خیریت ہے؟"

میں نے کہا "میں تو بمبئی سے سیدھا یہاں آ رہا ہوں، گھر کہاں گیا؟"

گوپا نے مجھے مخمور نگاہوں سے دیکھا۔ اس وقت اس کی نگاہوں میں شباب کی جھلک تھی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا۔ کہ اس کے چہرے کی جھریاں مٹ گئی ہیں چہرے پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی ہے۔ اس نے کہا "اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری دیوی جی تمہیں کبھی یہاں نہ آنے دیں گی۔"

"میں کسی کا غلام ہوں؟"

"کسی کو اپنا غلام بنانے کے لئے پہلے خود بھی اس کا غلام بننا پڑتا ہے۔"

شام ہو رہی تھی۔ سنتی لالٹین لے کر کمرے میں آئی۔ دو سال پیشتر کی معصوم لڑکی اب شباب میں قدم رکھ چکی تھی۔ جسے میں گود میں اٹھا کر پیار کیا کرتا تھا۔ اس کی طرف آج آنکھیں نہ اٹھا سکا۔ اور وہ جو میرے گلے سے لپٹ کر خوش ہوتی تھی آج میرے سامنے کھڑی بھی نہ رہ سکی۔ جیسے مجھ سے کوئی چیز چھپانا چاہتی ہے اور جیسے میں اسے اس چیز کے چھپانے کا موقع دے رہا ہوں۔

میں نے پوچھا سنتی اب تم کس درجے میں پڑھتی ہو؟"

اس نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا "دسویں میں ہوں۔"

"گھر کا بھی کچھ کام کاج کرتی ہو؟"

"اماں جب کرنے بھی دیں۔"

گوپا نے کہا "میں نہیں کرنے دیتی یا خود کسی کام کے قریب نہیں جاتی۔"

سنتی منہ پھیر کر ہنستی ہوئی چلی گئی۔ ماں کی دلاری لڑکی تھی۔ جس دن وہ گرہستی کا کام کرتی اس دن شاید گوپا رو رو کر آنکھیں پھوڑ لیتی۔ وہ خود لڑکی کو کوئی کام نہ

کرنے دیتی تھی، مگر سب سے شکایت کرتی تھی کہ وہ کام نہیں کرتی یہ شکایت بھی اس سکے پیار ہی کا ایک کرشمہ تھی۔

میں کھانا کھا کر لیٹا تو گوپا نے پھر سنتی کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس کے سوا اس کے پاس اور بات ہی کیا تھی۔ لڑکے تو بہت ملتے ہیں۔ لیکن کچھ حیثیت بھی تو ہو لڑکی کو یہ سوچنے کا موقع کیوں ملے کہ دادا ہوتے تو میرے لئے شاید اس سے اچھا بر ڈھونڈتے پھر گوپا نے ڈرتے ڈرتے لالہ مداری لال کے لڑکے کا ذکر کیا۔

میں نے متحیر ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ لالہ مداری لال پہلے انجنیئر تھے اب پنشن پاتے تھے۔ لاکھوں روپے جمع کر لئے تھے پر اب تک ان کی حرص کی پیاس نہ بجھی تھی گوپا نے گھر بھی وہ چھانٹا۔ جہاں اس کی رسائی دشوار تھی۔

میں نے کہا: ”مداری لال تو بہت ہی بڑا آدمی ہے“

گوپا نے دانتوں تلے زبان دبا کر: ”ارے نہیں بھیا تم نے انہیں پہچانا نہ ہوگا۔ میرے اوپر بڑے دیالو ہیں۔ کبھی کبھی آکر خیریت بھی پوچھ جاتے ہیں۔ لڑکا ایسا ہونہار ہے کہ میں تم سے کیا کہوں۔ پھر ان کے یہاں کمی کس بات کی ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ پہلے وہ خوب رشوت لیتے تھے۔ لیکن یہاں دھرماتما کون ہے کون موقع پا کر چھوڑ دیتا ہے۔ مداری لال نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ مجھ سے جہیز نہیں چاہتے۔ صرف لڑکی چاہتے ہیں۔ سنتی ان کے من میں بیٹھ گئی ہے؟“

مجھے گوپا کی سادگی پر رحم آیا لیکن میں نے سوچا کہ میں اس کے دل میں کسی کے خلاف شبہات پیدا کیوں کروں۔ شاید مداری اب وہ نہ رہے ہوں انسان کی طبیعت بدلتی رہتی ہے۔“

میں نے نیم متفق ہو کر کہا مگر یہ تو سوچو تم میں اور ان میں کسی قدر فرق ہے تم شاید اپنا سب کچھ قربان کر کے بھی ان کا منہ سیدھا نہ کر سکو؟“

لیکن گوپا کے من میں بات جم گئی تھی سنتی کو وہ ایسے گھر میں بیاہنا چاہتی تھی۔ جہاں وہ رانی بن کر رہے۔"

دوسرے دن میں مداری لال کے پاس گیا، اور اُن سے جو میری بات چیت ہوئی اس نے مجھے مطمئن کر دیا۔ کسی زمانے میں وہ لالچی رہے ہوں گے۔ لیکن اس وقت تو انہیں بہت ہی بلند خیال اور پاک دل پایا۔

بولے "بھائی صاحب میں دیونا تھ جی سے خوب واقف ہوں۔ وہ آدمیوں میں رتن تھے، ان کی لڑکی میرے گھر میں آئے یہ میری خوش قسمتی ہے آپ اس کی ماں سے کہہ دیجئے۔ مداری لال ان سے کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتا خدا کا دیا ہُوا میرے گھر میں سب کچھ ہے۔ میں انہیں زیر بار کرنا نہیں چاہتا۔"

میرے دل کا بوجھ اتر گیا۔ ہم سنی سنائی باتوں سے دوسروں کے متعلق کیسے غلط خیالات قائم کر لیتے ہیں۔ میں نے آکر گوپا کو مبارک باد دی۔ یہ طے ہوا کہ گرمیوں میں بیاہ کر دیا جائے گا۔

چار مہینے گوپا نے بیاہ کی تیاریوں میں کاٹے۔ میں مہینے میں ایک مرتبہ ضرور اس سے مل جاتا تھا۔ لیکن ہر مرتبہ مایوس ہو کر لوٹتا۔ گوپا نے اپنے خاندان کی عزت کا جو جانے کتنا بڑا نصب العین اپنے سامنے رکھ لیا تھا۔ دیوانی اس بھرم میں پڑی ہوئی تھی۔ کہ اس کی یہ اولوالعزمی شہر میں اپنی یادگار چھوڑ جائے گی۔ یہ نہ جانتی تھی کہ یہاں ایسے تماشے روز ہوتے ہیں۔ اور آئے دن بھلا دیئے جاتے ہیں۔ شاید وہ دنیا سے یہ کہلانا چاہتی تھی کہ اس گئی گذری حالت میں بھی مرا ہوا ہاتھی نو لاکھ کا ہے۔ قدم قدم پر اسے دیونا تھ کی یاد آتی۔ وہ ہوتے تو یہ کام کیوں نہ ہوتا۔ یوں ہوتا اور تب وہ روتی مداری لال نیک آدمی ہے۔ یہ سچ ہے لیکن گوپا کا اپنی بیٹی کے متعلق بھی تو کچھ فرض ہے اس کی دس پانچ لڑکیاں تھوڑی ہی ہیں۔ وہ تو دل کھول کر ارمان نکالے گی۔

سنتی کے لئے اس نے جتنے گہنے اور جوڑے بنوائے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا تھا جب دیکھو کچھ نہ کچھ سی رہی ہے۔ محلے میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جس سے اس نے قرض نہ لیا ہو۔ وہ اُسے قرض سمجھتی تھی پر دینے والے دان سمجھ کر دیتے تھے سارا محلہ اس کا مددگار تھا۔ سنتی اب محلے کی لڑکی تھی۔ گوپا کی عزت اب سب کی عزت ہے اور گوپا کے لئے تو نیند اور آرام حرام تھا۔ درد سے سر پھٹا جا رہا تھا۔ آدھی رات ہو گئی ہے۔ مگر وہ بیٹھی کچھ سی رہی ہے۔

اکیلی عورت اور وہ بھی نیم جان، کیا کیا کرے؟ جو کام دوسروں پر چھوڑ دیتی ہے اس میں کچھ نہ کچھ خرابی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی ہمت ہے۔ کہ کسی طرح نہیں مانتی۔ پچھلی مرتبہ اس کی حالت دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا۔ بولا" گوپا دیوی اگر مرنا ہی چاہتی ہو تو شادی ہو جانے کے بعد مرنا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس کے پہلے ہی کہیں چل نہ دو۔"

گوپا نے جواب دیا" بھیا اس کی فکر نہ کرو۔ بیوہ کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے تم نے سنا نہیں۔ رانڈ مرے نہ کھنڈر ڈھئے۔ لیکن میری تمنا یہی ہے۔ کہ سنتی کا ٹھکانا لگا کر میں بھی چل دوں۔ اپنے اور زندہ رہ کر کیا کروں گی۔ سوچو کیا کروں۔ اگر کسی طرح کا رخنہ پڑ گیا۔ تو کس کی بدنامی ہوگی؟ ان چار مہینوں میں مشکل سے گھنٹہ بھر سوتی ہوں گی۔ نیند ہی نہیں آتی۔ لیکن میرا دل خوش ہے۔ میں مروں یا جیوں۔ مجھے تسکین تو ہوتی کہ سنتی کے لئے اس کا باپ جو کر سکتا تھا۔ وہ میں نے کر دیا۔ مداری لال نے اپنی شرافت دکھائی تو مجھے تو اپنی ناک رکھنی ہے۔"

ایک دیوی نے آکر کہا" بہن! ذرا چل کر دیکھ لو۔ چاشنی ٹھیک ہو گئی ہے۔ یا نہیں گوپا اس کے ساتھ چاشنی کا امتحان کرنے گئی۔ اور ایک لمحہ کے بعد آکر بولی" جی چاہتا ہے کہ سر پیٹ لوں۔ تم سے ذرا باتیں کرنے لگی ادھر چاشنی اتنی کڑی ہو گئی

کر لڈو دانتوں سے لڑیں گے۔ کسی سے کیا کہوں؟"

میں نے چڑ کر کہا: "تم بے کار جھنجھٹ کر رہی ہو۔ کیوں نہیں۔ کسی حلوائی کو بلا کر مٹھائیوں کا ٹھیکہ دے دیتیں؟ پھر تمہارے یہاں مہمان ہی کتنے آئیں گے۔ جن کے لئے یہ طومار باندھ رہی ہو۔ دس پانچ کی مٹھائی ان کے لئے بہت ہو گی۔ میری یہ بات شاید گوپا کو ناگوار ہوئی۔ ان دنوں اسے بات بات پر غصہ آجاتا تھا۔

بولی: "بھیا! تم یہ باتیں نہ سمجھو گے۔ تمہیں یقینی نہ ماں بننے کا موقع ملا نہ بیوی بننے کا۔ سنتی کے باپ کا کتنا نام تھا کتنے آدمی ان کے دم سے پلتے تھے کیا تم نہیں جانتے یہ پگڑی میرے ہی سر تو بندھی ہے۔ تمہیں یقین نہ آئے گا ناستک ہی جو ٹھہرے۔ پر میں تو انہیں سدا اپنے اندر بیٹھا ہوا پاتی ہوں۔ جو کچھ کر رہے ہیں وہی کر رہے ہیں۔ میں ناقص العقل بھلا اکیلی کیا کر لیتی؟ وہی میرے مددگار ہیں۔ وہی میرے رہبر ہیں یہ سمجھ لو کہ جسم میرا ہے لیکن اس کے اندر جو آتما ہے۔ وہ ان کی ہے۔ تم ان کے دوست ہو۔ تم نے اپنے سینکڑوں روپے خرچ کئے اور اتنے حیران ہو رہے ہو میں تو ان کی شریک زندگی ہوں دکھ میں بھی اور پرلوک میں بھی۔"

میں اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔"

جون میں شادی ہو گئی۔ گوپا نے بہت کچھ دیا اور اپنی حیثیت سے بہت زیادہ دیا۔ لیکن پھر بھی اس کا دل مطمئن نہ ہوا۔ اگر آج سنتی کے باپ ہوتے تو نہ جانے کیا کرتے۔ بار بار یہ کہتی اور روتی رہی۔

جاڑوں میں میں پھر دہلی آگیا۔ میرا خیال تھا کہ گوپا اب خوش ہو گی۔ لڑکی کا گھر اور بر دونوں اچھے ہیں۔ گوپا کو اس کے سوا اور کیا چاہیئے۔ لیکن سکھ اس کے مقدر ہی میں نہ تھا۔

میں ابھی کپڑے بھی نہ اتارنے پایا کہ اس نے اپنا دکھڑا شروع کر دیا۔ بھیا گھر

دھار سب کچھ اچھا ہے۔ ساس سسر بھی اچھے ہیں، لیکن داماد نکما نکلا سنتی بچاری رو رو کے دن کاٹ رہی ہے تم اسے دیکھو تو پہچان نہ سکو بس اس کا سایہ ہی رہ گیا ہے ابھی چند دن ہوئے آئی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر چھاتی پھٹتی ہے نہ تن بدن کی سدھ ہے نہ کپڑے لتے کی میری سنتی کی یہ درگت ہو گی۔ یہ تو میں نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا بالکل گم سم ہو گئی ہے کتنا پوچھا بیٹا! مجھ سے وہ کیوں نہیں بولتا بس آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے ہیں۔ میری سنتی تو کنوئیں میں گر گئی۔

میں نے کہا "تم نے اس کے گھر والوں سے پتہ نہیں لگایا۔

"لگایا کیوں نہیں بھیا۔ سب حال معلوم ہو گیا۔ لڑکا چاہتا ہے کہ میں چاہے جس راہ جاؤں سنتی میری پوجا کرتی رہے۔ سنتی بھلا اسے کیوں سہنے لگی اسے تم جانتے ہی ہو کہ کتنی خوددار ہے۔ وہ ان عورتوں میں نہیں ہے۔ جو شوہر کو دیوتا سمجھتی ہیں اور اس کی بدسلوکیاں برداشت کرتی رہتی ہیں۔ اس نے ہمیشہ پیار دلار پایا ہے۔ باپ بھی اس پر جان دیتا تھا۔ میں بھی آنکھ کی پتلی سمجھتی تھی۔ شوہر ملا چھیلا جو آدھی آدھی رات تک مارا مارا پھرتا ہے۔ دونوں میں کیا بات ہوئی یہ کون جان سکتا ہے۔ لیکن دونوں میں کوئی گانٹھ پڑ گئی ہے نہ وہ سنتی کی پرواہ کرتا ہے اور نہ سنتی اس کی پرواہ کرتی ہے۔ مگر وہ تو اپنے رنگ میں مست ہے۔ سنتی جان دے دے گی۔

میں نے کہا "لیکن تم نے سنتی کو سمجھایا نہیں۔ اس لونڈے کا کیا بگڑے گا۔ اس کی تو زندگی خراب ہو جائے گی۔"

گوپا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بولی "بھیا کس دل سے سمجھاؤں سنتی کو دیکھ کر میری چھاتی پھٹتی ہے۔ بس یہی جی چاہتا ہے کہ اسے اپنے کلیجے میں رکھ لوں کہ اسے کوئی کڑی آنکھ سے دیکھ بھی نہ سکے۔ سنتی پھوہڑ ہوتی۔

آرام طلب ہوتی تو سمجھاتی بھی کیا یہ سمجھاؤں کہ تیرا شوہر گلی گلی منہ کالا کرتا پھرے اور تو اس کی پوجا کر۔ میں تو خود یہ ذلت برداشت نہ کر سکتی۔ مرد اور عورت میں بیاہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ دونوں سولہ آنے ایک دوسرے کے ہو جائیں ایسے مرد کم ہیں جو عورت کی جو برابر کج نگاہی بھی برداشت کر سکیں لیکن ایسی عورتیں بہت ہیں جو شوہر کو دیوتا سمجھتی ہیں سنتی ان عورتوں میں نہیں۔ وہ اگر محبت کرتی ہے تو محبت چاہتی بھی ہے۔ اور اگر شوہر میں یہ بات نہ ہوئی تو وہ اس سے واسطہ نہیں رکھے گی چاہے اس کی ساری زندگی روتے کٹ جائے۔"

یہ کہہ کر گوپا اندر گئی اور ایک سنگھاردان لا کر بولی "سنتی اب کے اسے یہیں چھوڑ گئی اسی لئے آئی تھی۔ یہ وہ گہنے ہیں جنہیں میں نے نہ جانے کتنی تکلیفیں برداشت کر کے بنوائے تھے۔ ان کے پیچھے مہینوں ماری ماری پھرتی تھی۔ یوں کہو کہ بھیک مانگ کر جمع کئے تھے سنتی اب ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ پہنے تو کس لئے؟ سنگھار کرے تو کس پر، پانچ صندوق کپڑوں کے دیئے تھے۔ کپڑے سیتے سیتے میری آنکھیں پھوٹ گئیں وہ سب کپڑے اٹھاتی لائی۔ ان چیزوں سے اُسے اب نفرت سی ہو گئی ہے بس کلائی میں کانچ کی دو چوڑیاں اور ایک اجلی ساڑھی۔ یہی اس کا سنگھار ہے۔

میں نے گوپا کو دلاسا دیا کہ میں جا کر ذرا کیدار ناتھ سے ملوں گا۔ دیکھوں تو وہ کس رنگ ڈھنگ کا آدمی ہے۔"

گوپا نے ہاتھ جوڑ کر کہا "بھیا بھول کر بھی نہ جانا سنتی سنتے ہی جان دے دے گی۔ غیرت کی پتلی ہی سمجھو اسے۔ رسی سمجھ لو جس کے جل جانے پر بھی بل نہیں جاتے جن پیروں نے اسے ٹھکرا دیا ہے۔ انہیں وہ کبھی نہ سہلائے گی۔ اُسے اپنا بنا کر کوئی چاہے تو لونڈی بنا لے۔ لیکن حکومت تو اس نے میری نہ سہی دوسروں کی کیا سہے گی۔

میں نے گوپا سے تو اس وقت کچھ نہ کہا۔ لیکن موقع پاتے ہی لالہ مداری لال سے

ملا۔ میں راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اتفاق سے باپ بیٹے دونوں ایک ہی جگہ مل گئے۔ مجھے دیکھتے ہی کیدار ناتھ نے اس طرح جھک کر چرن چھوئے۔ کہ میں اس کی سعادت مندی سے متاثر ہو گیا جلدی سے اندر گیا اور چائے، مربہ اور مٹھائیاں لایا۔ اتنا شائستہ اتنا شریف اور اتنا خلیق نوجوان میں نے نہ دیکھا تھا۔ یہ گمان ہی نہ ہو سکتا تھا کہ اس کے اندر اور باہر میں کوئی فرق ہو سکتا ہے۔ جب تک رہا سر جھکائے بیٹھا رہا۔ جب وہ ٹینس کھیلنے چلا گیا تو میں نے مداری لال سے کہا۔

”کیدار ناتھ بابو تو بہت ہی نیک معلوم ہوتے ہیں۔ پھر میاں بیوی میں اتنی کشیدگی کیوں ہو گئی ہے۔“

مداری لال نے ایک لمحہ غور کر کے جواب دیا ”اس کا سبب سوا اس کے اور کیا بتاؤں کہ دونوں اپنے ماں باپ کے لاڈلے ہیں اور پیار لڑکوں کو اپنے من کا بنا دیتا ہے۔ میری ساری عمر محنت میں کٹی، اب جا کر ذرا راحت ملی ہے۔ رنگ رلیوں کا کبھی موقع ہی نہ ملا۔ دن بھر محنت کرتا تھا اور شام کو پڑ کر سو رہتا تھا۔ صحت بھی اچھی تھی اس لئے برابر یہی فکر سوار رہتی تھی کہ کچھ جمع بھی کر لوں۔ ایسا نہ ہو کہ میرے بال بچے بھیک مانگتے پھریں نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان مہاشے کو مفت کی دولت ملی سنک سوار ہو گئی شراب اڑنے لگی پھر ڈرامہ کھیلنے کا شوق ہوا روپے کی کمی تھی نہیں۔ اس پر ماں باپ کے اکیلے بیٹے ان کی خوشی ہی ہماری زندگی کی بہشت تھی پڑھنا لکھنا تو دور رہا آوارگی کی طرف رجحان بڑھتا گیا۔ رنگ اور گہرا ہوا اور اپنی زندگی کا ڈرامہ کھیلنے لگے میں نے یہ رنگ دیکھا تو مجھے فکر ہوئی۔ سوچا بیاہ کر دوں ٹھیک ہو جائے۔ گوپا دیوی کا پیغام آیا تو میں نے منظور کر لیا۔ میں سنی کو دیکھ چکا تھا۔ سوچا ایسی خوبصورت بیوی پا کر اس کی اصلاح ہو جائے گی لیکن اتفاق سے وہ بھی لاڈلی لڑکی تھی۔ ضدی اور ہٹیلی۔ مفاہمت کا زندگی میں کیا درجہ ہے اس کی اسکو خبر ہی نہیں لوہا لوہے سے لڑ گیا۔ یہ ہے سارا بھید اور صاحب میں تو بہو کو ہی زیادہ خطا

داد سمجھتا ہوں۔ لڑکے تو سب ہی من چلے ہوتے ہیں۔ لڑکیاں اپنی ذمہ داری سمجھتی ہیں ان کی سیوا قربانی اور محبت یہی ان کے دو ہتھیار ہیں جن سے وہ اپنے شوہر پر فتح حاصل کر لیتی ہیں بہو میں یہ گن نہیں ہے۔ ناؤ کیسے پار ہوگی۔ خدا ہی جانے۔" اتنے میں سنتی اندر سے آگئی اپنی تصویر کا مٹا ہوا خاکہ تھی۔ کندن تپ کر مجسم ہوگیا تھا۔ مٹی ہوئی تمناؤں کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہوسکتی مجھ پر طعن کرتی ہوئی بولی "آپ جانے کب سے بیٹھے ہوئے ہیں مجھے خبر تک نہیں اور آپ شاید باہر ہی باہر چلے بھی جاتے۔"

میں نے اپنے آنسوؤں کو روکتے ہوئے کہا "نہیں سنتی ایسا کیسے ہوسکتا تھا تمہارے پاس آ ہی رہا تھا کہ تم خود آگئیں۔" لالہ مدار ی لال کمرے سے باہر اپنے موٹر کی صفائی کرانے لگے شاید مجھے سنتی سے بات چیت کا موقع دینا چاہتے تھے۔

سنتی نے پوچھا "اماں تو اچھی طرح ہیں۔"

میں نے کہا "ہاں وہ تو اچھی ہیں۔ لیکن تم نے اپنی کیا گت بنا رکھی ہے۔"

"میں تو بہت اچھی طرح ہوں۔"

"یہ بات کیا ہے؟ تم لوگوں میں کیا ان بن ہے؟ گویا دیوی جان دیئے ڈالتی ہیں تم خود مرنے کی تیاری کر رہی ہو۔ کچھ تو عقل سے کام لو۔"

سنتی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ بولی آپ نے ناحق یہ گفتگو چھیڑ دی ہیں نے تو یہ سوچ کر اپنے دل کو سمجھا لیا کہ میں بدنصیب ہوں بس ان باتوں کا علاج میرے قابو سے باہر ہے۔ میں اس زندگی سے موت کو کہیں بہتر سمجھتی ہوں۔ جہاں اپنی قدر نہ ہو زندگی کی کوئی دوسری شکل میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس معاملے میں کسی طرح کا سمجھوتا کرنا میرے لئے غیر ممکن ہے نتیجے کی میں پرواہ نہیں کرتی۔"

"لیکن......"

"نہیں چاچاجی۔ اس معاملے میں آپ کچھ نہ کہئے نہیں تو میں چلی جاؤں گی۔"

"آخر سوچو تو ـــ"

"میں سب سوچ چکی اور طے کر چکی حیوان کو انسان بنانا میری طاقت سے باہر ہے
مئی کا مہینہ تھا میں منصوری گیا ہوا تھا کہ گوپا کا تار پہنچا فوراً آؤ بہت ضروری کام
ہے میں گھبرا کر دوسرے ہی دن دہلی پہنچا۔ گوپا دق کی مریضہ معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے
پوچھا "سنتی تو اچھی ہے؟"

"اس نے جواب دیا" ہاں"

"کیدار ناتھ؟"

"وہ بھی اچھی طرح ہے"

"تو کیا ماجرا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"تم نے مجھے تار دے کر بلایا اور پھر کہتی ہو کہ کوئی بات نہیں"

"دل گھبرا رہا تھا۔ اس لئے تم کو بلا لیا۔ سنتی کو کسی طرح سمجھا کر یہاں لانا ہے
میں تو سب کچھ کر کے تھک گئی"

"کیا ادھر کوئی نئی بات ہوئی ہے؟"

نئی تو نہیں لیکن ایک طرح سے نئی ہی سمجھو۔ کیدار ایک ایکٹرس کے ساتھ کہیں
بھاگ گیا ایک ہفتہ سے کچھ پتہ نہیں سنتی سے کہہ گیا ہے کہ جب تک تم رہو گی میں گھر میں
قدم نہ رکھوں گا۔ سنا ہے کہ کیدار اپنے باپ کے جعلی دستخط بنا کر کئی ہزار روپے بھی بنک سے لے گیا ہے

"تم سنتی سے ملی تھیں؟"

"ہاں تین دن سے برابر جا رہی ہوں۔"

"اگر سنتی نہیں آنا چاہتی تو تم رہنے کیوں نہیں دیتیں؟"

"وہاں وہ گھٹ گھٹ کر مر جائے گی۔"

"میں اسی وقت مداری لال کے پاس گیا۔ وہ میری صورت دیکھتے ہی بولے "بھائی صاحب میں تو لٹ گیا۔ لڑکا بھی اور بہو بھی گئی۔"

معلوم ہوا کہ جب سے کیدار غائب ہو گیا ہے سنتی اور بھی اداس رہنے لگی تھی۔ اس نے اسی دن اپنی چوڑیاں توڑ ڈالی تھیں اور مانگ کا سیندور پونچھ ڈالا۔ کسی سے بات نہ کرتی تھی۔ آج صبح وہ جمنا اشنان کرنے گئی۔ اندھیرا تھا۔ سارا گھر سو رہا تھا۔ کسی کو نہیں جگایا جب دن چڑھ گیا اور بہو نہ ملی۔ تو اس کی تلاش ہونے لگی۔ دوپہر کو پتہ ملا کہ جمنا گئی ہے۔ لوگ ادھر بھاگے وہاں اس کی لاش ملی۔ پولیس آئی لاش کا معائنہ ہوا۔ اب لاش ملی ہے۔ میں کلیجہ تھام کر بیٹھ گیا ارتھی کے ساتھ گیا۔ اور وہاں سے لوٹا تو رات کے دس بج چکے تھے۔ میرے پاؤں کانپ رہے تھے معلوم نہیں یہ خبر پا کر گوپا کی کیا حالت ہو گی اس ابھاگن کے باغ تمنا میں یہی ایک پودا تھا اُسے اپنے خونِ جگر سے سینچ کر پال رہی تھی۔ اُس کی نسبت سنہرے خواب ہی اس زندگی کا ماحصل تھا اس میں کونپلیں نکلیں گی۔ پھول کھلیں گے پھل آئیں گے۔ چڑیاں اس کی ڈالیوں پر بیٹھ کر اپنے سہانے راگ گائیں گی۔ لیکن آج موت کے بے رحم ہاتھوں نے اس پودے کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اس کی زندگی اب بے کار تھی وہ نقطہ ہی مٹ گیا تھا جس پر زندگی کے تمام خطوط آ کر ملتے تھے۔ دل کو دونوں ہاتھوں سے تھامے میں نے زنجیر کھٹکھٹائی۔ گوپا ایک لالٹین لئے نکلی۔ میں نے گوپا کے چہرے پر سکون کی نئی جھلک دیکھی۔ اس نے مجھے غمگین دیکھ کر محبت سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور بولی آج تو تمہیں سارے دن روتے ہی کٹا۔ لاش کے ساتھ تو بہت آدمی ہوں گے؟ میرے جی میں بھی آیا تھا۔ کہ چل کر سنتی کا آخری درشن کر لوں لیکن میں نے سوچا کہ جب سنتی ہی نہ رہی تو اس کی لاش میں کیا رکھا ہے۔ نہ گئی۔"

میں حیرت سے گوپا کا منہ دیکھنے لگا۔ اُسے اس افسوسناک حادثے کی اطلاع مل گئی تھی۔ لیکن وہ کس قدر صابر و پُرسکون ہے میں نے کہا "اچھا کیا تم نہ گئیں رونا ہی تو تھا

گوپا نے کہا "ہاں اور کیا روئی تو یہاں بھی۔ لیکن تم سے سچ کہتی ہوں کہ دل سے نہیں روئی نہ جانے آنسو کس طرح نکل آئے۔ مجھے درحقیقت سنتی کی موت سے خوشی ہوئی بدنصیب اپنی غیرت و خودداری کے لئے دنیا سے رخصت ہو گئی نہیں تو نہ جانے کیا کیا دیکھنا پڑتا اس لئے اور بھی خوش ہوں کہ اس نے اپنی آن نبھا دی۔ عورت کو زندگی میں محبت نہ ملے تو اس کا مرنا جانا ہی اچھا ہے۔ تم نے سنتی کی لاش دیکھی تھی۔ لوگ کہتے ہیں۔ ایسا جان پڑتا کہ مسکرا رہی ہے۔ میری سنتی سچ مچ دیوی تھی۔ بھیا انسان اس لئے تھوڑے ہی جینا چاہتا ہے کہ روتا رہے جب معلوم ہو گیا کہ زندگی میں دکھ کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو آدمی جی کر کیا کرے؟ کس لئے جئے کھانے سونے اور مر جانے کے لئے؟ یہ میں نہیں کہتی کہ مجھے سنتی کی یاد نہ آئے گی یا میں اُسے یاد کر کے روؤں گی نہیں۔ لیکن وہ غم کے آنسو نہ ہوں گے خوشی کے آنسو ہوں گے۔ بہادر بیٹے کی ماں اس کی بہادری سے خوش ہوتی ہے سنتی کی موت کیا کم باعث فخر ہے؟ میں آنسو بہا کر اس فخر کو کیوں برباد کروں؟ وہ جانتی ہے کہ چاہے ساری دنیا اس کی مذمت کرے۔ اس کی ماں اس کی تعریف ہی کرے گی۔ اس کی روح سے یہ مسرت بھی چھین لوں؟ لیکن اب رات زیادہ ہو گئی ہے اوپر جا کر سو رہو۔ میں نے تمہاری چارپائی بچھا دی ہے۔ مگر دیکھو اکیلے پڑے پڑے رونا نہیں۔ سنتی نے وہی کیا۔ جو اُسے کرنا چاہیئے تھا۔ اس کے پتا ہوتے تو آج سنتی کی مورت بنا کر پوجتے۔"

روشنی

آئی۔سی۔ایس پاس کر کے ہندوستان آیا تو مجھے صوبجات متحدہ کے ایک کوہستان علاقے میں ایک سب ڈویژن کا چارج ملا مجھے شکار کا بہت شوق تھا اور کوہستانی علاقے میں شکار کی کیا کمی۔ میری دلی مراد بر آئی۔ ایک پہاڑ کے دامن میں میرا بنگلہ تھا بنگلے پر کچہری کر لیا کرتا تھا اگر کوئی شکایت تھی تو یہ کہ سوسائٹی نہ تھی اس لئے سیر و شکار اور اخبارات و رسائل سے اس کمی کو پورا کیا کرتا تھا۔ امریکہ اور یورپ کے کئی اخبار اور رسالے آتے تھے ان کے مضامین کی شگفتگی اور جدت اور خیال آرائی کے مقابلے میں ہندوستانی اخبار اور رسالے پھیکے پھیکے لگتے۔ سوچتا تھا وہ دن کب آئیگا کہ ہمارے یہاں بھی ایسے شاندار رسالے نکلیں گے

بہار کا موسم تھا۔ پھاگن کا مہینہ، میں دورے پر نکلا اور کندھوار کے تھانے کا معائنہ کر کے گجن پور کے تھانے کو چلا، کوئی اٹھارہ میل کی مسافت تھی۔ مگر منظر نہایت سہانا۔ دھوپ میں کسی قدر تیزی تھی مگر ناخوشگوار نہیں ہوا میں بھینی بھینی خوشبو تھی آم کے درختوں میں بور آ گئے تھے اور کوئل کوکنے لگی تھی۔ کندھے پر بندوق رکھ لی تھی کہ کوئی شکار مل جائے تو لیتا چلوں کچھ اپنی حفاظت کا بھی خیال تھا کیونکہ ان دنوں جا بجا ڈاکے پڑ رہے تھے میں نے گھوڑے کی گردن سہلائی اور کہا "چلو بیٹا چلو۔ ڈھائی تین گھنٹے کی دوڑ ہے۔ شام ہوتے ہوتے گجن پور پہنچ جائیں گے" ساتھ کے ملازم پہلے ہی روانہ کر دیئے گئے تھے۔

جا بجا کاشتکار کھیتوں میں کام کرتے نظر آتے تھے۔ ربیع کی فصل تیار ہو چکی تھی۔ ادکھ اور خربوزے کے لئے زمین تیار کی جا رہی تھی۔ ذرا ذرا سے مزارعے تھے۔ وہی بابا آدم کے زمانہ کے بوسیدہ ہل وہی افسوسناک جہالت وہی شرمناک نیم برہنگی اس قوم کا خدا ہی حافظ

ہے گورنمنٹ لاکھوں روپے زراعتی اصلاحوں پر صرف کرتی ہے۔ نئی نئی تحقیقاتیں اور ایجادیں ہوتی ہیں۔ ڈائرکٹر انسپکٹر سب موجود اور حالت میں کوئی اصلاح کوئی تغیر نہیں مغرب میں تعلیم کا طوفانِ بے تمیزی برپا ہے۔ یہاں مدرسوں میں کتے لوٹتے ہیں۔ جب مدرسے میں پہنچ جاتا ہوں تو مدرس کو کھاٹ پر نیم غنودگی کی حالت میں لیٹے پاتا ہوں۔ بڑی مواد وش سے دس بیس لڑکے جوڑے جاتے ہیں جس قوم پر جمود نے اس حد تک قبضہ کر لیا ہو اس کا مستقبل انتہا درجہ مایوس کن ہے۔ اچھے اچھے تعلیم یافتہ آدمیوں کو سلف کی یاد میں آنسو بہاتے دیکھتا ہوں مانا کہ ایشیا کے جزائر میں آرین مبلغوں نے مذہب کی روح پھونکی تھی۔ یہ بھی مان لیا کہ کسی زمانے میں آسٹریلیا بھی آرین تہذیب کا ممنون تھا۔ لیکن اس سلف پروری سے کیا حاصل آج تو مغرب دنیا کا مشعلِ ہدایت ہے ننھا سا انگلینڈ نصف کرۂ زمین پر حادی اپنی صنعت و حرفت کی بدولت بیشک مغرب نے دنیا کو ایک نیا پیغام عمل عطا کیا ہے اور جس قوم میں اس پیغام پر عمل کرنے کی قوت نہیں ہے اس کا مستقبل تاریک ہے جہاں آج بھی نیم برہنہ گوشہ نشین فقیروں کی عظمت کے راگ الاپے جاتے ہیں جہاں آج بھی شجر و حجر کی عبادت ہوتی ہے۔ جہاں آج بھی زندگی کے ہر ایک شعبے میں مذہب گھسا ہوا ہے اگر اس کی یہ حالت ہے تو تعجب کا مقام نہیں۔

میں انہیں تصورات میں ڈوبا ہوا چلا جا رہا تھا۔ دفعتہً ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا جسم میں لگا۔ تو میں نے سر اوپر اٹھایا۔ مشرق کی جانب منظر گرد آلود ہو رہا تھا۔ افق گرد و غبار کے پردے میں چھپ گیا تھا۔ آندھی کی علامت تھی۔ میں نے گھوڑے کو تیز کیا۔ مگر لمحہ بہ لمحہ غبار کا پردہ وسیع اور بسیط ہوتا جاتا تھا اور میرا راستہ بھی مشرق ہی کی جانب تھا۔ گویا میں یکہ و تنہا طوفان سے طوفان کا مقابلہ کرنے دوڑا جا رہا تھا۔ ہوا تیز ہو گئی وہ پردۂ غبار سر پہ آ پہنچا، اور دفعتاً میں گرد کے سمندر میں ڈوب گیا ہوا اتنی تند کہ کئی بار میں گھوڑے سے گرتے گرتے بچا۔

وہ سرسراہٹ اور گڑگڑاہٹ تھی کہ الاماں گویا فطرت نے آندھی میں طوفان کی روح ڈال دی ہے دس بیس ہزار توپیں ایک ساتھ چھوٹتیں تب بھی اتنی ہولناک صدا نہ پیدا ہوتی مارے گرد کے کچھ نہ سوجھتا تھا یہاں تک کہ راستہ بھی نظر نہ آتا تھا اُف ایک قیامت تھی جس کی یاد سے آج بھی کلیجہ کانپ جاتا ہے میں گھوڑے کی گردن سے چمٹ گیا اور اس کے بالوں میں منہ چھپا لیا سنگریزے گرد کے ساتھ اڑ کر منہ پر اس طرح لگتے تھے جیسے کوئی کنکریوں کو پچکاری میں بھر کر مار رہا ہو ایک عجیب دہشت مجھ پر مسلط ہو گئی کسی درخت کے اکھڑنے کی آواز کانوں میں آجاتی تو پیٹ میں میری آنتیں تک سمٹ جاتیں کہیں کوئی درخت پہاڑ سے میرے اوپر گرے تو یہیں رہ جاؤں طوفان میں ہی تودے بھی ٹوٹ جاتے ہیں کوئی ایسا تودہ لڑھکتا ہوا آجائے تو بس خاتمہ ہے رہنے کی گنجائش نہیں پہاڑی راستہ کچھ سوجھائی دیتا نہیں ایک قدم دائیں بائیں جاؤں تو ایک ہزار فٹ گہرے کھڈ میں پہنچ جاؤں عجیب ہیجان میں مبتلا تھا کہیں شام تک طوفان جاری رہا تو موت ہی ہے رات کو کوئی درندہ آکر صفایا کر دیگا دل پر بے اختیار رقت کا غلبہ موت بھی آئی تو اس حالت میں کہ لاش کا بھی پتہ نہ چلے گا افوہ کتنی زور سے بجلی چمکی ہے کہ معلوم ہوا ایک نیزہ سینے کے اندر گھس گیا۔

دفعتاً چھن چھن کی آواز سن کر چونک پڑا۔ اس گڑگڑاہٹ میں بھی چھن چھن کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ جیسے کوئی سانڈنی دوڑ رہی ہو سانڈنی پر کوئی سوار تو ہوگا ہی مگر اسے راستہ کیونکر سوجھ رہا ہے کہیں سانڈنی ایک قدم بھی ادھر ادھر ہو جائے تو بچہ تحت الثریٰ میں پہنچ جائے۔ کوئی زمیندار ہوگا مجھے دیکھ کر شاید پہچانے بھی نہیں چہرے پر منوں گرد پڑی ہوئی ہے مگر ہے بلا کا ہمت والا۔

ایک لمحہ میں چھن چھن کی آواز قریب آگئی جھپر میں سے دیکھا کہ ایک جوان عورت سر پر ایک گٹھری رکھے قدم بڑھاتی ہوئی چلی آرہی ہے ایک گز کے فاصلے سے بھی اس کا صرف

دھندلا سا عکس نظر آیا وہ عورت ہو کر اکیلی مردانہ وار چلی جا رہی ہے نہ آندھی کا خوف ہے، نہ ٹوٹنے والے درختوں کا اندیشہ نہ چٹانوں کے گرنے کا غم گویا یہ بھی کوئی روزمرہ کا معمولی واقعہ ہے مجھے اپنے دل میں غیرت کا احساس کبھی اتنا شدید نہ ہوا تھا۔

میں نے جیب سے رومال نکال کر منہ پونچھا اور اس سے بولا "او عورت گجن پور یہاں سے کتنی دور ہے؟"

میں نے پوچھا تو بلند لہجے میں مگر آواز دس گز بھی نہ پہنچی عورت نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید اس نے مجھے دیکھا ہی نہیں۔

میں نے چیخ کر پکارا "او عورت ذرا ٹھہر جا گجن پور یہاں سے کتنی دور ہے؟"

عورت رک گئی اس نے میرے قریب آ کر مجھے دیکھ کر ذرا سر جھکا کر کہا کہاں جاؤ گے؟"

"گجن پور کتنی دور ہے؟"

"چلے آؤ آگے ہمارا گاؤں ہے۔ اس کے بعد گجن پور ہے۔"

"تمہارا گاؤں کتنی دور ہے؟"

"وہ کیا آگے دکھائی دیتا ہے۔"

"تم اس آندھی میں کہیں رک کیوں نہیں گئیں؟"

"چھوٹے چھوٹے بچے گھر پہ ہیں کیسے رک جاتی۔ مرد تو بھگوان کے گھر چلا گیا آندھی کا ایسا زبردست ریلا آیا کہ میں شاید دو تین قدم آگے کھسک گیا گرد و غبار کی ایک دھونکنی سی منہ پر لگی اس کا کیا حشر ہوا مجھے خبر نہیں میں پھر وہیں کھڑا رہ گیا فلسفے نے کہا اس عورت کے لئے زندگی میں کیا راحت ہے کوئی ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا ہو گا، دو تین فاقہ کش بچے بیکسی میں موت کا کیا غم موت تو اس کے لئے باعثِ نجات ہو گی میری حالت اور ہے زندگی اپنی تمام دل فریبیوں اور رنگینیوں،

کے ساتھ میری ناز برداری کر رہی ہے جو صلے میں ارادے میں اسے کیوں کر خطرے میں ڈال سکتا ہوں۔

میں نے پھر گھوڑے کے ایالوں میں منہ چھپالیا۔ شتر مرغ کی طرح جو خطرے سے بچنے کی کوئی راہ نہ پاکر بالوں میں سر چھپالیتا ہے۔

(۲)

وہ آندھی کی آخری سانس تھی، اس کے بعد بتدریج زور کم ہونے لگا یہاں تک کہ کوئی پندرہ منٹ میں مطلع صاف ہوگیا نہ گرد و غبار کا نشان تھا نہ ہوا کے جھونکوں کا ہوا میں ایک فرحت بخش خنکی آگئی تھی ابھی مشکل سے پانچ بجے ہوں گے سامنے ایک پہاڑی تھی اس کے دامن میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا میں جوں ہی اس گاؤں میں پہنچا دہی عورت ایک بچے کو گود میں لئے میری طرف آرہی تھی مجھے دیکھ کر اس نے پوچھا تم کہاں رہ گئے تھے؟ میں ڈری کہ تم رستہ نہ بھول گئے ہو تمہیں ڈھونڈھنے جا رہی تھی۔

میں نے اس کی انسانیت سے متاثر ہو کر کہا میں اس کے لئے تمہارا بہت ممنون ہوں آندھی کا ایسا ریلا آیا کہ مجھے رستہ نہ سوجھا میں وہیں کھڑا رہ گیا یہی تمہارا گاؤں ہے یہاں سے مجن پور کتنی دور ہوگا؟"

"بس کوئی دھاپ بھر سمجھ لو۔ رستہ بالکل سیدھا ہے۔ کہیں دہنے بائیں مڑ لیو نہیں سورج ڈوبتے ڈوبتے پہنچ جاؤ گے۔

"یہی تمہارا بچہ ہے؟"

"نہیں ایک اور اس سے بڑا ہے جب آندھی آئی تو دونوں نمبردار کی چوپال میں جاکر بیٹھے تھے کہ جھونپڑی کہیں اڑ نہ جائے جب سے آئی ہوں یہ میری گود سے نہیں اترتا کہتا ہے تو پھر بھاگ جائے گی بڑا نٹ شیطان ہے لڑکوں میں کھیل رہا تھا

محنت مزدوری کرتی ہوں بابو جی ان کو پالنا تو ہے اب میرے کون بیٹھا ہوا ہے جس پر ٹیک کروں گھاس سے کر بیچنے گئی تھی کہیں جاتی ہوں تو من ان بچوں میں لگا رہتا ہے۔"

میرا دل اتنا اثر پذیر تو نہیں ہے لیکن اس دہقان عورت کے بے لوث انداز گفتگو اس کی سادگی اور جذبہ مادری نے مجھ پر تسخیر کا سا عمل کیا۔ اس کے حالات سے مجھے کونہ دلچسپی ہوگئی پوچھا "تمہیں بیوہ ہوئے کتنے دن ہوگئے؟"

عورت کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اپنے آنسوؤں کو چھپانے کے لئے بچے کے رخسار کو اپنی آنکھوں سے لگا کر بولی۔

"ابھی تو کل چھ مہینے ہوئے ہیں بابو جی، بھگوان کی مرضی ہے آدمی کا کیا بس بھلے چنگے ہل سے کر لوٹے۔ ایک لوٹا پانی پیا تے ہوئی، بس آنکھیں بند ہوگئیں نہ کچھ کہا نہ سنا میں سمجھی تھکے ہیں سو رہے ہیں جب کھانا کھانے کو اٹھانے لگی۔ تو بدن ٹھنڈا تب سے بابو جی گھاس چھیل کر پیٹ پالتی ہوں اور بچوں کو کھلاتی ہوں کھیتی میرے ماں کی نہ تھی بیل بدھئے بیچ کر ان کے کریا کرم میں لگا دیئے بھگوان تمہارے ان دونوں غلاموں کو زندگی دے میرے لئے یہی بہت ہیں۔"

میں بے موقع اور محل سمجھتا ہوں اور نفسیات میں بھی دخل رکھتا ہوں لیکن اس وقت مجھ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ میں آبدیدہ ہو گیا۔ اور جیب سے پانچ چھ روپے نکال کر اس عورت کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ میری طرف سے بچوں کی مٹھائی کھانے کے لئے لو مجھے موقع ملا تو پھر کبھی آؤں گا یہ کہہ کر میں نے بچے کے رخساروں کو انگلی سے چھو دیا۔

ماں ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی "نہیں بابو جی یہ رہنے دیجئے میں غریب ہوں لیکن بھکارن نہیں ہوں۔"

"یہ بھیک نہیں ہے بچوں کے مٹھائی کھانے کے لئے ہے"۔ "نہیں بابو جی"
"مجھے اپنا بھائی سمجھ کر لے لو۔"
"نہیں بابو جی جس سے بیاہ ہوا اس کی عزت تو میرے ہی ہاتھ ہے"۔ بھگوان تمہارا بھلا کریں۔ اب چلے جاؤ۔ تمہیں دیر ہو جائے گی۔"

میں دل میں اتنا خفیف کبھی نہ ہوا تھا جنہیں میں جاہل، کور باطن سے سمجھتا تھا اسی طبقے کی ایک معمولی عورت میں یہ خود داری یہ فرض شناسی یہ توکل اپنے ضعف کے احساس سے میرا دل جیسے پامال ہو گیا۔ اگر تعلیم فی الاصل تہذیب نفس ہے اور محض اعلیٰ ڈگریاں نہیں، تو یہ عورت تعلیم کے معراج پر پہنچی ہوئی ہے میں نے نادم ہو کر نوٹ جیب میں رکھ لیا اور گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے پوچھا۔
"تمہیں اس آندھی میں ذرا بھی ڈر نہ معلوم ہوتا تھا؟"

عورت مسکرائی "ڈر کس بات کا؟ بھگوان تو سبھی جگہ ہیں اگر وہ مارنا چاہیں تو کیا یہاں نہیں مار سکتے میرا آدمی تو گھبرا کر بیٹھے بیٹھے چل دیا۔ آج وہ ہوتا تو تم اس طرح گجن پور اکیلے نہ جانے پاتے جا کر تمہیں پہنچا آتا تمہاری خدمت کرتا۔"

گھوڑا اڑا۔ میرا دل اس سے زیادہ تیزی سے اڑ رہا تھا جیسے کوئی مفلس سونے کا ڈلا پا کر دل میں ایک طرح کی پرواز کا احساس کرتا ہے۔ وہی حالت میری تھی اس دہقان عورت نے مجھے وہ تعلیم دی جو فلسفہ اور مابعد الطبیعات کے دفتروں سے بھی نہ حاصل ہوئی تھی۔ میں اس مفلس کی طرح اس سونے کے ڈلے کو گرہ میں باندھتا ہوا ایک غیر مترقبہ نعمت کے غرور سے مسرور، اس اندیشے سے خائف کہ کہیں یہ اثر دل سے مٹ نہ جائے اڑا چلا جاتا تھا بس یہی فکر تھی کہ اس پارۂ کو دل کے کسی گوشے میں چھپا لوں۔ جہاں کسی حریص کی اس پر نگاہ نہ پڑ سکے۔

(۱۴)

گجن پور ابھی پانچ میل سے کم نہ تھا رستہ نہایت پیچیدہ پیڑ بے برگ و بار گھوڑے کو زدو کنا پڑا۔ تیزی میں جان کا خطرہ تھا آہستہ سنبھلتا ہوا چلا جاتا تھا کہ آسمان سے ابر گھر آیا کچھ تو پہلے ہی سے چھایا ہوا تھا پر اب اس نے ایک عجیب صورت اختیار کر لی۔ برق کی چمک اور بادل کی گرج شروع ہوئی پھر افق مشرق کی طرف سے زرد رنگ کے ایک ابر کی ایک تہہ اس مٹیالے رنگ پر دھلیپ کرتی ہوئی تیزی سے اوپر کی جانب دوڑتی نظر آئی۔ میں سمجھ گیا اولے ہیں پھاگن کے مہینے میں اس رنگ کے بادل اور گرج کی یہ مہیب گڑگڑاہٹ ژالہ باری کی علامت ہے۔ گھٹا سر پر چڑھتی چلی جاتی تھی یکایک سامنے ایک کف دست میدان آ گیا جس کے پرلے سرے پر گجن پور کے ٹھاکر دوارے کا کلس صاف نظر آ رہا تھا کہیں کسی درخت کی بھی آڑ نہ تھی لیکن میرے دل میں مطلق کمزوری نہ تھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مجھ پر کسی کا سایہ ہے جو مجھے ہر آفت ہر گزند سے محفوظ رکھے گا۔

ابر کی زردی ہر لمحہ بڑھتی جاتی تھی شاید گھوڑا اس خطرے کو سمجھ رہا تھا وہ بار بار ہنہناتا تھا اور اڑ کر خطرے سے باہر نکل جانا چاہتا تھا میں نے بھی دیکھا راستہ صاف ہے لگام ڈھیلی کر دی گھوڑا اڑا۔ میں اس کی تیزی کا لطف اٹھا رہا تھا دل میں خوف کا مطلق احساس نہ تھا۔

ایک میل نکل گیا ہوں گا کہ ایک رپٹ آ پڑی پہاڑی ندی تھی جس کے پیٹے میں کوئی پچاس گز لمبی رپٹ بنی ہوئی تھی پانی کی ہلکی دھار رپٹ پر سے اب بھی بہہ رہی تھی رپٹ کے دونوں طرف پانی جمع تھا میں نے دیکھا ایک اندھا لاٹھی ٹیکتا ہوا رپٹ سے گزر رہا تھا وہ رپٹ کے ایک کنارے سے اتنا قریب تھا کہ میں ڈر رہا تھا کہیں گر نہ پڑے اگر پانی میں گرا تو مشکل ہو گی کیونکہ وہاں پانی گہرا تھا میں نے چلا کر کہا بڈھے اور داہنے کو ہو جا۔"

بڈھا چونکا اور گھوڑے کے ٹاپو کی آواز سن کر شاید ڈر گیا۔ داہنے تو نہیں ہوا اور بائیں کی طرف ہولیا اور پھنس کر پانی میں گر پڑا اس وقت ایک ننھا سا اولا میرے سامنے گرا دونوں مصیبتیں ایک ساتھ نازل ہوئیں۔

ندی کے اس پار ایک مندر تھا۔ اس میں بیٹھنے کی جگہ کافی تھی ایک منٹ میں وہاں پہنچ سکتا تھا لیکن یہ نیا عقدہ سامنے آ گیا کیا اس اندھے کو مرنے کے لئے چھوڑ کر اپنی جان بچانے کیلئے بھاگوں؟ حمیت نے اسے گوارا نہ کیا زیادہ پس و پیش کا موقع نہ تھا میں فوراً گھوڑے سے کودا اور گئی اولے میرے چاروں طرف گرے میں پانی میں کود پڑا ہاتھی ڈباؤ پانی تھا۔ رپٹ کے لئے جو بنیاد کھودی گئی تھی وہ ضرورت سے زیادہ چوڑی تھی ٹھیکے دار نے دس فٹ چوڑی رپٹ تو بنا دی مگر کھدی ہوئی مٹی برابر نہ کی بڈھا اسی گڑھے میں گرا تھا میں بھی ایک غوطہ کھا گیا لیکن تیرنا جانتا تھا کوئی اندیشہ نہ تھا میں نے دوسری ڈبکی لگائی اور اندھے کو باہر نکالا اتنی دیر میں وہ سیر پانی پی چکا تھا۔ جسم بے جان ہو رہا تھا اس لئے بڑی مشکل سے باہر نکلا دیکھا تو گھوڑا بھاگ کر مندر میں جا پہنچا ہے اس نیم جان لاش کو لئے ہوئے ایک فرلانگ چلنا آسان نہ تھا اوپر اولے تیزی سے گرنے لگے تھے کبھی سر پہ کبھی شانے پر کبھی پیٹھ میں گولی سی لگ جاتی تھی میں تلملا اٹھتا تھا لیکن اس لاش کو سینے سے لگائے مندر کی طرف لپکا چلا جاتا تھا میں اگر اس وقت اپنے دل کے جذبات بیان کروں تو شاید خیال ہو میں خواہ مخواہ تعلی کر رہا ہوں اچھے کام کرنے میں ایک خاص مسرت ہوتی ہے مگر میری خوشی ایک دوسری ہی قسم کی تھی وہ فاتحانہ مسرت تھی میں نے اپنے اوپر فتح پائی تھی آج سے پہلے غالباً میں اندھے کو پانی میں ڈوبتے دیکھ کر یا تو اپنی راہ چلا جاتا یا پولیس کو رپورٹ کرتا خاص اسی حالت میں جب کہ سر پر اولے پڑ رہے ہوں میں کبھی پانی میں نہ گھستا ہر لمحہ خطرہ تھا کہ کوئی بڑا

سا اولا سر پر گر کر عزیز جان کا خاتمہ نہ کر دے مگر میں خوش تھا کیونکہ آج میری زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز تھا۔"

میں مندر میں پہنچا تو سارا جسم زخمی ہو رہا تھا مجھے اپنی فکر نہ تھی۔ ایک زمانہ ہوا میں نے فوری امداد (فرسٹ ایڈ) کی مشق کی تھی۔ وہ اس وقت کام آئی میں نے ادھ گھنٹے میں اس اندھے کو اٹھا کر بیٹھا دیا اتنے میں دو آدمی اندھے کو ڈھونڈتے ہوئے مندر میں آ پہنچے مجھے اس کی تیمارداری سے نجات ملی اور نے نکل گئے تھے۔ میں نے گھوڑا کی پیٹھ ٹھونکی رومال سے ساز کو صاف کیا اور گجن پور چلا سینے خوف سے خطر دل میں ایک غیبی طاقت محسوس کرتا ہوا۔ اسی وقت اندھے نے پوچھا تم کون ہو۔ بھائی مجھے تو کوئی مہاتما معلوم ہوتے ہو۔"

"میں نے کہا" "تمہارا خادم ہوں۔"

"تمہارے سر پر کسی دیوتا کا سایہ معلوم ہوتا تھا۔"

"ہاں ایک دیوی کا سایہ ہے۔"

"وہ کون دیوی ہے؟"

"وہ دیوی پیچھے گاؤں میں رہتی ہے۔"

"تو کیا وہ عورت ہے؟"

"نہیں میرے لئے وہ دیوی ہے۔"



مالکن

(۱)

شیوداس نے بھنڈار کی کنجی اپنی بہو رام پیاری کے سامنے پھینک دی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا" بہو آج سے گرہستی کی دیکھ بھال تمہارے ذمہ ہے میرا سکھ بھگوان سے نہیں دیکھا گیا۔ نہیں تو کیا جوان بیٹے کو یوں چھین لیتے؟ مگر اس کا کام کرنے والا تو کوئی چاہیئے اب ہل توڑ دوں گذر نہ ہوگی اس لئے برجو کا ہل اب میں ہی سنبھالوں گا پھر گھر کی دیکھ بھال کرنے والا، رکھنے اٹھانے والا تمہارے سوا دوسرا کون ہے؟ رومت بیٹا بھگوان کی جو مرضی تھی وہ ہوا اور جو مرضی ہوگی وہ ہوگا۔ ہمارا تمہارا کیا اختیار ہے میرے جیتے جی تمہیں کوئی ٹیڑھی نگاہوں سے بھی نہ دیکھ سکے گا تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔ برجو گیا تو میں تو ابھی بیٹھا ہوں۔"

رام پیاری اور دلاری دو حقیقی بہنیں تھیں۔ دونوں کی شادی متھرا اور برجو حقیقی بھائیوں سے ہوئی دونوں بہنیں میکے کی طرح سسرال میں بھی محبت اور آرام سے رہنے لگیں شیوداس کو فرصت ملی دن بھر دروازے پر بیٹھا گپ شپ کرتا آباد گھر دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا دھرم کے کاموں کی طرف طبیعت مائل ہونے لگی لیکن خدا کی مرضی بڑا لڑکا برجو بیمار پڑا اور آج سے اُسے مرے ہوئے پندرہ روز ہوگئے آج اس کے آخری مراسم سے فرصت ملی اور شیوداس نے سچے بہادر کی طرح کارزار حیات کیلئے کمر باندھ لی دل میں چاہے اسے کتنا ہی صدمہ ہوا ہو اسے کسی نے روتے ہوئے نہیں دیکھا آج اپنی بہو کو دیکھ کر ایک آن کے لئے اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں لیکن اس نے اپنی طبیعت کو سنبھالا اور بھرائی ہوئی آواز میں اسے دلاسا دینے لگا شاید

اس نے سوچا تھا کہ گھر کی مالکن بن کر بیوہ کے آنسو بجھ جائیں گے کم سے کم اسے اپنی محنت تو نہ کرنی پڑے گی۔

رام پیاری نے رقت آمیز لہجے میں کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے داداتم محنت مزدوری کرو اور میں مالکن بن کر بیٹھوں کام دھندے میں لگی رہوں گی تو دل بہلتا رہے گا۔ بیٹھے بیٹھے تو رونے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔"

شیوداس نے سمجھایا "بیٹا! بھگوان کی مرضی سے تو کسی کا بس نہیں۔ رونے دھونے سے ملکان ہونے کے سوا اور کیا ہاتھ آئے گا؟ گھر میں بھی تو بیسوں کام ہیں کوئی سادھو سنت آجائے کوئی مہمان آپہنچے، اس کی خاطر مدارات کے لئے کسی کو تو گھر پر رہنا ہی پڑے گا۔" بہوتے بہت حیلے کئے پر شیوداس نے ایک نہ سنی۔"

(۲)

شیوداس کے باہر چلے جانے کے بعد مالکن نے کنجی اٹھالی۔ تو اس کے دل میں اختیار اور ذمہ داری کا زبردست احساس پیدا ہوا۔ تھوڑی دیر کیلئے شوہر کی جدائی کا صدمہ اس کے دل سے محو ہو گیا۔ اس کی چھوٹی بہن اور دیور دو کام کرنے گئے ہوئے تھے۔ شیوداس باہر تھا گھر بالکل خالی تھا۔ اس وقت وہ بے فکر ہو کر بھنڈار کو کھول سکتی ہے اس میں کیا کیا سامان ہے، کیا کیا چیز ہے یہ دیکھنے کے لئے اس کا دل بے تاب ہو گیا اس مکان میں وہ کبھی نہیں آتی تھی جب کسی کو کچھ دینا یا کسی سے کچھ لینا تھا رام پیاری کبھی کبھی کوٹھے کی درازوں سے اندر جھانکتی تھی۔ مگر اندھیرے میں کچھ نظر نہ آتا تھا سارے گھر کیلئے وہ کوٹھری ایک طلسم یا راز کھول کر دیکھنے کا موقع مل گیا اس نے باہر کا دروازہ بند کر دیا کہ اسے کوئی بھنڈار کھولتے نہ دیکھ لے نہیں تو سوچے گا کہ بے ضرورت اس نے کیوں کھولا اس کا سینہ دھڑک رہا تھا کہ کوئی دروازہ نہ کھٹکھٹانے لگے۔ اندر پاؤں رکھا تو اسے اسی طرح کی لیکن اس سے کہیں زیادہ خوشی ہوئی جو اسے اپنے کپڑے اور زیور کی پیٹاری میں

کھولنے میں ہوئی تھی مٹکوں میں گڑ شکر گیہوں جو وغیرہ سب چیزیں رکھی ہوئی تھیں ایک کنارے بڑے بڑے برتن رکھے ہوئے تھے جو شادی بیاہ کے موقع پر نکالے جاتے تھے یا مانگے دیئے جاتے تھے ایک جگہ مالگذاری کی رسیدیں اور لین دین کے کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ کوٹھری پر شان و شوکت چھائی ہوئی تھی اس کے سایہ میں رام پیاری کوئی آدھ گھنٹے تک اپنے دل کو ٹھنڈک پہنچاتی رہی لمحہ بہ لمحہ اس کے دل پر نشہ سا طاری ہوتا جا رہا تھا جب وہ اس کوٹھری سے نکلی تو اس کے دل کی حالت بالکل بدلی ہوئی تھی جیسے کسی نے اس پر سحر کر دیا ہو۔

اسی وقت دروازے پر کسی آدمی نے آواز دی اس نے فوراً بھنڈارے کا دروازہ بند کیا اور جا کر صدر دروازہ کھول دیا دیکھا تو پڑوسن جھنیا کھڑی ایک روپیہ قرض مانگ رہی ہے۔

رام پیاری نے بے رخی سے کہا۔ "ابھی تو ایک پیسہ بھی گھر میں نہیں ہے بہن کام کاج میں سب خرچ ہو گیا۔"

جھنیا حیران رہ گئی۔ چودہری کے گھر میں اس وقت ایک روپیہ بھی نہیں ہے یہ یقین کرنے کی بات نہ تھی۔ جس کے یہاں سینکڑوں کا لین دین ہے، اس کا سارا اثاثہ کام کاج میں صرف نہیں ہو سکتا اگر شیو داس نے یہ حیلہ کیا ہوتا تو اسے تعجب نہ ہوتا رام پیاری تو اپنے سادہ اخلاق کے لئے گاؤں میں مشہور تھی۔ اکثر شیو داس کی نگاہیں بچا کر ہمسایوں کو ضرورت کی چیزیں دیدیا کرتی تھی۔ ابھی کل ہی اس نے جانکی کو سیر بھر دودھ دے دیا تھا یہاں تک کہ اپنے گہنے تک مانگے دے دیا کرتی تھی بخیل شیو داس کے گھر میں ایسی سخی بہو کا آنا لوگ اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے۔

جھنیا نے متعجب ہو کر کہا ایسا نہ کہو بہن بڑی مصیبت میں پڑ گئی ہوں نہیں تو تم جانتی ہو کہ عادت قرض مانگنے کی نہیں ہے لگان کا ایک روپیہ دینا ہے پیادہ دروازے

پر کھڑا ایک جھجک رہا ہے۔ روپیہ دے دو کسی طرح مصیبت ٹلے میں آج کے آٹھویں روز آکر دے جاؤں گی گاؤں میں اور کون گھر ہے جہاں مانگنے جاؤں۔"

"رام پیاری ٹس سے مس نہ ہوئی۔"

اس کے جاتے ہی رام پیاری شام کے کھانے کا انتظام کرنے لگی پہلے چاول دال چننا وبال معلوم ہوتا تھا اور رسوئی میں جانا سُولی پر چڑھنے سے کم نہ تھا کچھ دیر دونوں بہنوں میں جھوڑ ہوتی آخر میں شیو داس آکر کہتا کہ کیا آج کھانا نہ پکے گا۔ اس وقت دونوں میں سے ایک اُٹھتی اور موٹے موٹے ٹکڑ پکا کر رکھ دیتی۔ جیسے بیلوں کا راتب ہو آج رام پیاری تن من سے کھانا پکانے کے کام میں لگی ہوئی ہے اب وہ گھر کی مالکن ہے۔ اس نے باہر نکل کر دیکھا کتنا کوڑا کرکٹ پڑا ہوا ہے بڈھے دادا دن بھر مکھی مارا کرتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں ہوتا کہ ذرا جھاڑو ہی دے ڈالیں۔ اب کیا ان سے اتنا بھی نہیں ہوتا دروازہ ایسا صاف ہونا چاہیئے کہ دیکھ کر دل خوش ہو جائے یہ نہیں کہ اب ابکائی آنے لگے ابھی کہدوں تو تنک اٹھیں۔ اچھا یہ مُنی ناند سے الگ کیوں کھڑی ہے ؟"

اس نے مُنی گائے کے پاس جا کر ناند میں جھانکا، بدبو آرہی تھی۔ ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے مہینوں سے پانی نہیں بدلا گیا ہے۔ اس طرح تو گائے رہ چکی اپنا پیٹ بھر لیا چھٹی ہوئی (اور کسی سے کیا مطلب ؟ ہاں دودھ سب کو اچھا لگتا ہے) دادا دروازے پر بیٹھے چلم پی رہے ہیں۔ مگر اتنا نہیں ہوتا کہ چار گھڑے پانی ناند میں ڈالدیں۔ مزدور رکھا ہے وہ بھی تین کوڑی کا کھانے کو ڈیڑھ سیر کام کرتے نانی مرتی ہے آئے تو پوچھتی ہوں۔ ناند میں پانی کیوں نہیں بدلتا رہتا ہو رہے یا جائے۔ آدمی بہت ملیں گے چاروں طرف تو لوگ مارے مارے پھر رہے ہیں۔ آخر اس سے نہ رہا گیا گھڑا اٹھا کر پانی لینے چلی۔ ؟"

شیو داس نے پکارا "پانی کیا ہو گا، بہو ؟ ناند میں پانی بھرا ہوا ہے۔"

پیاری نے کہا "ناند کا پانی سڑ گیا تھی بہو سے میں منہ نہیں ڈالتی۔ دیکھتے ہو کوس بھر کھڑی ہے"
شیو داس مسکرایا۔ دوڑ کر بہو کے ہاتھ سے گھڑا لے لیا۔

(۲۲)

کئی مہینے گذر گئے پیاری کے اختیار میں آکر جیسے اس گھر میں بہار آ گئی اندر باہر جہاں دیکھئے ایک لائق منتظم کے سلیقہ شعاری، صفائی پسندی اور خوش مذاقی کے آثار نظر آنے لگے۔ پیاری نے گرہستی کی مشین کی ایسی کنجی کس دی کہ سب ہی پرزے ٹھیک ٹھیک چلنے لگے کھانا پہلے سے اچھا ملتا ہے۔ اور وقت پر ملتا ہے دودھ زیادہ ہوتا ہے گھی زیادہ ہوتا ہے پیاری نہ خود آرام کرتی ہے نہ دوسروں کو آرام کرنے دیتی ہے، گھر میں کچھ ایسی برکت آ گئی ہے۔ کہ جو چیز مانگو گھر ہی میں نکل آتی ہے۔ آدمی سے لیکر جانور تک سب ہی تندرست نظر آتے ہیں اب وہ پہلی سی حالت نہیں ہے کہ کوئی چیتھڑے لپیٹے پھر رہا ہے کسی کو گہنے کی دھن سوار ہے ہاں اگر کوئی متردد و فکر مند اور پریشان ہے تو وہ پیاری ہے، پھر بھی سارا گھر اس سے جلتا ہے، یہاں تک کہ بوڑھے شیو داس بھی کبھی کبھی اس کی بد گوئی کرتے ہیں کسی کو پہر رات رہے اٹھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا محنت سے جی چراتے ہیں پھر اتنا سب ہی مانتے ہیں کہ پیاری نہ ہو تو گھر کا کام نہ چلے اور تو اور اب دونوں بہنوں میں بھی اتنی میل نہیں ہے صبح کا وقت تھا دلاری نے ہاتھوں کے کڑے لاکر پیاری کے سامنے پٹک دیئے اور بگڑ کر بولی "لے کڑے بھی بھنڈار میں بند کر دے۔"

پیاری نے کڑے اٹھا لئے اور نرم لہجے میں کہا "کہہ تو دیا" ہاتھ میں روپے آنے دے بنوا دوں گی۔ ابھی تو ایسے گھس نہیں گئے ہیں کہ آج ہی اتار کر پھینک دیئے جائیں دلاری لڑنے کے لئے تیار ہو کر آئی تھی۔ بولی تیرے ہاتھ میں کا ہے کو کبھی روپے آئیں گے اور کاہے کو کڑے بنیں گے جوڑ جوڑ رکھنے میں مزا آتا ہے نا۔"

پیاری نے ہنس کر کہا "جوڑ جوڑ رکھتی ہوں تو تیرے ہی لئے یا میرے کوئی اور بیٹھا

ہُوا ہے یا میں سب سے زیادہ کھا پہن لیتی ہوں۔ میرا بازو بند کب کا ٹوٹا پڑا ہے۔"
دلاری "تم نہ کھاؤ، نیک نامی تو ہوتی ہے تمہاری یہاں کھانے پہننے کے سوا اور کیا ہے؟ میں تمہارا حساب کتاب نہیں جانتی۔ میرے کپڑے آج بننے کو بھیج دو۔"
پیاری نے بالکل مذاق کے انداز سے پوچھا "روپے نہ ہوں تو کہاں سے لاؤں؟"
دلاری نے چیخ کر کہا۔ مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں میں تو کپڑے چاہتی ہوں۔"
اسی طرح گھر کے سب ہی آدمی اپنے اپنے موقع پر پیاری کو دو چار سخت و سست سنا جاتے تھے۔ اور وہ غریب سب کی دھونس ہنس کر برداشت کر لیتی تھی۔ مالکن کا یہ تو فرض ہی ہے کہ سب کی دھونس برداشت کرے اور کرے وہی جس میں گھر کی بھلائی ہو مالکانہ ذمہ داری کے احساس پر طعن و طنز اور دھمکی کسی چیز کا اثر نہ ہوتا اس کا مالکانہ احساس ان جملوں سے اور بھی قوی ہو جاتا تھا۔ وہ گھر کی منتظمہ ہے سبھی اپنی اپنی تکلیف اسی کے سامنے کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتی ہے وہی ہوتا ہے اس کے اطمینان کے لئے اتنا کافی تھا۔
گاؤں میں پیاری کی تعریف ہوتی تھی۔ ابھی عمر ہی کیا ہے۔ لیکن تمام گھر سنبھالے ہوئے ہے چاہتی تو دوسرا گھر کر کے چین کرتی اس گھر کے واسطے اپنے کو مٹا رہی ہے کبھی کسی سے ہنستی بولتی بھی نہیں، جیسے کایا پلٹ ہو گئی۔
چند روز بعد دلاری کے کپڑے بن کر آ گئے پیاری خود سنار کے گھر دوڑ کر گئی۔"
شام ہو گئی تھی۔ دلاری اور متھرا کھیت سے لوٹے پیاری نے نئے کپڑے دلاری کو دیئے۔ دلاری نہال ہو گئی۔ جھٹ پٹ کپڑے پہنے اور دوڑتی ہوئی جا کر کوٹھڑی میں متھرا کو کپڑے دکھانے لگی پیاری کوٹھڑی کے دروازے کے پیچھے کھڑی ہو کر یہ منظر دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں اشک آلود ہو گئی۔ دلاری اس سے بالکل تین سال ہی تو چھوٹی ہے۔ لیکن دونوں میں کتنا فرق ہے۔ اس کی نظریں گویا اس پر جم گئیں۔

متلاطمانہ زندگی کی وہ حقیقی مسرت ان کی محبت آگیں محویت ان کی وہ سرخوشی۔"

پیاری کی ٹکٹکی سی بندھ گئی۔ یہاں تک کہ چراغ کی دھندلی روشنی میں وہ دونوں اس کی نظر غائب سے ہو گئے اسے اپنی گذشتہ زندگی کا ایک واقعہ نگاہوں کے سامنے بار بارنئی صورت میں سامنے آنے لگا۔ ناگہاں شیوداس نے پکارا بڑی بہو ایک پیسہ دو تمباکو منگاؤں پیاری کا سلسلہ تصور شکست ہو گیا۔ آنسو پونچھتی ہوئی بھنڈار میں پیسہ لینے چلی گئی۔

(۴)

ایک ایک کرکے پیاری کے گہنے اس کے ہاتھ سے نکلتے گئے وہ چاہتی تھی۔ کہ اس کا گھر گاؤں میں سب سے خوش حال سمجھا جائے اور اسی کو اس ہوس کی قیمت دینا پڑتی تھی مکان کی مرمت کے لئے کبھی بیلوں کی نئی جوڑی خریدنے کے لئے کبھی رشتہ داروں کی خاطر مدارات کیلئے اور کبھی مریضوں کے علاج کے لئے روپے کی ضرورت پڑتی رہتی تھی اور جب بہت جوڑ کرنے پر بھی کام نہ چلتا تو وہ اپنی کوئی نہ کوئی چیز نکال دیتی اور وہ چیز ایک بار ہاتھ سے نکل کر پھر واپس نہ آتی۔ وہ چاہتی تو ان میں سے بہت سے خرچوں کو ٹال جاتی۔ لیکن جہاں عزت کی بات آپڑتی تھی۔ وہ دل کھول کر خرچ کرتی تھی اگر گاؤں میں ہنسی ہو گئی تو کیا بات رہی اس کی بدنامی ہو گی دلاری کے پاس بھی گہنے تھے ایک دو چیزیں متھرا کے پاس بھی تھیں۔ لیکن پیاری ان کی چیزیں نہ چھوتی ان کے کھانے پہننے کے دن ہیں وہ اس جھگڑے میں کیوں پھنسیں۔ دلاری کے لڑکا پیدا ہوا تو پیاری نے دھوم دھام کے ساتھ خوشی منانے کا ارادہ کیا۔"

شیوداس نے مخالفت کی۔ کیا فائدہ! جب بھگوان کی کرپا سے بیاہ بارات کا موقع آئے گا تو دھوم دھام کر لینا۔"

پیاری کا حوصلہ مند دل بھلا کیوں مانتا؟ بولی کیسی بات کرتے ہو دادا پہلونٹی کے لڑکے کے لئے بھی دھوم دھام نہ ہوئی تو کب ہو گی؟ دل تو نہیں مانتا۔ پھر دنیا کیا کہے گی نام

بڑے ورشن کنفوڑے میں تم سے کچھ نہیں مانگتی۔ اپنا تمام سامان کر لوں گی۔"

گہنے کے بغیر جاسکے گی اور پیارا! ٹیلو واس لئے فکر مند ہو کر کہا اس طرح ایک روز تار بھی نہ بچے گا۔ کتنا سمجھایا بیٹا! بھائی بھاوج کسی کے نہیں ہوتے اپنے پاس دو چیزیں رہیں گی تو سب منہ تکیں گے نہیں تو کوئی پوچھے گا بات بھی نہ کریگا۔"

پیاری نے ایسا منہ بنایا گویا ایسی فضول سی باتیں بہت سنی تھی۔ چڑ کر بولی جو اپنے ہیں وہ بات بھی نہ پوچھیں جب بھی اپنے ہی رہتے ہیں۔ پھر اور ہم میرے ساتھ ہے۔ ان کا دھرم ان کے ساتھ ہے۔ مر جاؤں گی تو کیا سینے پر لاد کے لے جاؤں گی؟"

دھوم دھام سے لڑکا پیدا ہونے کی خوشی منائی گئی۔ برہمن بھوج ہوا۔ ساری برادری کا کھانا ہوا لوگ کھا پی کر چلے گئے تو پیاری دن بھر کی تھکی ماندی آنگن میں ٹاٹ کا ایک ٹکڑا ڈال کر کمر سیدھی کرنے لگی۔ آنکھ لگ گئی۔ منتھرا اسی وقت آیا تو مولود بچے کو دیکھنے کے لئے اس کا دل بیقرار ہو رہا تھا۔ لاڈلی زچہ خانہ سے نکل چکی تھی حمل کی حالت میں اس کا جسم لاغر ہو گیا تھا چہرہ بھی اتر گیا تھا لیکن آج چہرے پر صحت کی سرخی چھائی ہوئی تھی۔ مادرانہ غرور و ناز نے اعضا میں ایک نئی روح پیدا کر دی تھی زچہ خانے کی احتیاط اور مقوی چیزوں کے استعمال نے بدن کو چکنا دیا تھا منتھرا سے آنگن میں دیکھتے ہی قریب آ گیا اور ایک بار پیاری کی طرف دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ وہ سو گئی ہے بچے کو گود میں لے لیا اور لگا اس کا منہ چومنے۔ آہٹ پاکر پیاری کی آنکھ کھل گئی لیکن نیند کے بہانے وہ نیم باز آنکھوں سے یہ لطف تماشہ دیکھنے لگی ماں اور باپ دونوں باری باری سے بچے کو چومتے اور گلے لگاتے اور اس کے منہ کو تکتے تھے کیسی پر کیف مسرت تھی پیاری کی تشنہ تمنا ایک ان کے لئے مالکانہ حیثیت کو بھول گئی جس طرح لگام سے منہ بند، بوجھ سے لدا ہوا، ہانکنے والے کے کوڑے سے تکلیف زدہ دوڑتے دوڑتے بیدم گھوڑا ہنہناہٹ کی آواز سن کر کان کھڑے کر لیتا ہے وہ اپنی حالت

ہو گئی اس کی مادریت جو پنجرے میں بند خاموش بے جان پڑی ہوئی تھی قریب سے گذرنے والی مادریت کی چہکار سے بیدار ہو گئی اور تفکرات کے اس پنجرے سے نکلنے کے لئے بازو پھڑپھڑانے لگی۔

متھرا نے کہا "یہ میرا لڑکا تھا۔"

دلاری نے بچے کو سینے سے چمٹا کر کہا "ہاں ہے کیوں نہیں تم ہی نے تو نو مہینے پیٹ میں رکھا ہے مصیبت تو میں نے بھگتی، باپ کہلانے کے لئے تم آ گئے۔"

متھرا "میرا لڑکا نہ ہوتا تو میری صورت کا کیوں ہوتا؟ صورت و شکل سب میری سی ہے کہ نہیں؟

دلاری۔ "اس سے کیا ہوتا ہے۔ بیج بنئے کے گھر سے آتا ہے کھیت کسان کا ہوتا ہے پیداوار بنئے کی نہیں ہوتی، کسان کی ہوتی ہے۔"

متھرا۔ "باتوں میں تم سے کوئی نہ جیتے گا۔ میرا لڑکا بڑا ہو جائے گا تو میں دروازے پر بیٹھ کر مزے سے حقہ پیا کروں گا۔"

دلاری "میرا لڑکا پڑھے لکھے گا، کوئی نہ کوئی بڑا عہدہ حاصل کرے گا تمہاری طرح دن بھر بیل کے پیچھے نہ چلے گا۔ مالکن سے کہنا ہے کل ایک جھولا بنوا دیں۔"

متھرا "ایسا بہت سویرے نہ اٹھا کرنا اور کلیجہ پھاڑ کر کام بھی نہ کرنا۔"

"دلاری یہ مہارانی جینے دے گی؟"

متھرا "مجھے تو اس بیچاری پر ترس آتا ہے اس کے کون بیٹھا ہے ہمیں لوگوں کے لئے تو مرتی ہے۔ بھیا ہوتے تو اب تک دو تین لڑکوں کی ماں ہو گئی ہوتی۔"

پیاری کے گلے میں آنسوؤں کا ایسا سیلاب امڈا کہ اس کے روکنے میں اس کا تمام جسم کانپ اٹھا۔

اس کی بیوگی کا سونا پن کسی خوفناک جانور کی طرح اسے نگلنے لگا۔ تصور اس

بنجر زمین میں ہرا بھرا باغ لگانے لگا۔

یکایک شیوداس نے اندر آ کر کہا "بڑی بہو کیا سو گئی! باجے والوں کو ابھی کھانے کو نہیں ملا۔ کیا کہہ دوں؟"

(۵)

کچھ دنوں کے بعد شیوداس بھی مر گیا۔ ادھر دلاری کے دو بچے ہوئے وہ بھی زیادہ تر بچوں کی پرورش و پرداخت میں رہنے لگی۔ کھیتی کا کام مزدوروں پر آ پڑا۔ متھرا مزدور تو اچھا تھا مگر منتظم اچھا نہ تھا۔ اسے آزادانہ طور پر کام لینے کا موقع نہ ملا تھا۔ خود پہلے بھائی کی نگرانی میں کام کرتا رہا تھا۔ بعد کو باپ کی نگرانی میں کرنے لگا۔ کھیتی کا انداز بھی نہیں جانتا تھا وہی مزدور اس کے یہاں ٹکتے تھے۔ جو محنتی نہیں، خوشامد کرنے میں ہوشیار ہوتے تھے۔ اس لئے اب پیاری کو دو چار چکر کھیت کے بھی لگانے پڑتے کہنے کو تو وہ بھی مالکن تھی مگر حقیقت میں گھر بھر کی خدمت گذار تھی۔ مزدور بھی اس سے تیوریاں بدلتے۔ زمیندار کا پیادہ بھی اس پر دھونس جماتا کھانے میں بھی کفایت کرنی پڑتی لڑکوں کو تو جتنی بار مانگیں کچھ نہ کچھ چاہیئے دلاری تو بچوں والی تھی" اسے بھی پوری خوراک چاہیئے متھرا گھر کا سردار تھا اس حق کو اس سے کون چھین سکتا۔ مزدور بھلا کیوں رعایت کرنے لگے تھے ساری کسر بیچاری پیاری پر نکلتی تھی۔ اسی کی ایک ذات فاضل تھی "آدھا ہی پیٹ کھائے جب بھی کسی کا کوئی نقصان نہیں ہو سکتا تھا۔ تیس برس کی عمر میں اس کے بال سفید ہو گئے کمر جھک گئی آنکھوں کی روشنی کم ہو گئی۔ مگر وہ خوش تھی، مالک ہونے کا احساس ان تمام زخموں پر مرہم کا کام کرتا تھا۔

ایک روز متھرا نے کہا" بھابی اب تو کہیں پردیس جانے کو جی چاہتا ہے یہاں تو کمائی میں کوئی برکت نہیں۔ کسی طرح پیٹ کی روٹیاں چلی جاتی ہیں وہ بھی رو دھو کر کئی آدمی پورب سے آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہاں دو تین روپے روز کی مزدوری

ہوتی ہے چار پانچ سال بھی رہ گیا تو مالامال ہو جاؤں گا۔ اب لڑکے بالے ہوئے ان کے لئے تو کچھ کرنا ہی چاہیئے۔"

دلاری نے تائید کی "ہاتھ میں چار پیسے ہوں گے لڑکوں کو پڑھائیں گے لکھائیں گے ہماری تو کسی طرح کٹ گئی، لڑکوں کو تو آدمی بنانا ہے"

پیاری یہ رائے سن کر حیران رہ گئی۔ ان کا منہ تکنے لگی۔ اس سے پہلے اس طرح کی بات چیت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ انہیں یہ دھن کیسے سوار ہو گئی۔ اسے شک ہوا کہ شاید میری وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا ہے۔

بولی "تو میں تو جانے کو نہیں کہوں گی، آگے تمہاری جیسی خواہش ہو لڑکوں کے پڑھانے لکھانے کے لئے یہاں بھی اسکول ہیں۔ پھر کیا ہمیشہ ایسا ہی وقت رہے گا دو تین سال میں کھیتی بن گئی تو سب کچھ ہو جائے گا"

متھرا "اتنے روز کھیتی کرتے ہو گئے جب اب تک نہ بنی تو اب کیا بن جائے گی اسی طرح ایک روز چل دیں گے دل کی دل ہی میں رہ جائے گی پھر اب ہاتھ پاؤں بھی تو تھک رہے ہیں۔ یہ کھیتی کون سنبھالے گا۔ لڑکوں کو اس چکی میں جوت کر ان کی زندگی خراب کرنی نہیں چاہتا"

پیاری نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "بھیا گھر پر جب تک آدھی ملے ساری کے لئے نہ دوڑنا چاہیئے۔ اگر میری طرف سے کوئی بات ہو تو اپنا گھر بار اپنے ہاتھ میں لو مجھے ٹکڑا دے دینا پڑی رہوں گی"

متھرا گلوگیر آواز سے بولا "بھابی" "یہ تم کیا کہتی ہو، تمہارے ہی سنبھالے یہ گھر اب تک سنبھلا ہے۔ نہیں تو ختم ہو چکا ہوتا۔ اس گرہستی کے پیچھے تم نے اپنے کو مٹی میں ملا دیا۔ اپنا جسم تک گھلا ڈالا۔ میں اندھا نہیں ہوں سب کچھ سمجھتا ہوں ہم لوگوں کو جانے دو بھگوان نے چاہا تو گھر پھر سنبھل جائے گا تمہارے لئے ہم برابر خرچ بھیجتے رہیں گے۔

پیاری سے نے کہا۔ اگر ایسا ہی ہے تو تم چلے جاؤ۔ بال بچوں کو کہاں کہاں باندھے پھرو گے
دلاری بولی " یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بہن یہاں دیہات میں لڑکے کیا پڑھیں لکھیں گے
بچوں کے بغیر وہاں ان کا جی بھی نہ لگے گا۔ دوڑ دوڑ کر گھر آئیں گے اور ساری کمائی ریل کھا
جائے گی پردیس میں اکیلے جتنا خرچ ہوگا اتنے میں سارا گھر آرام سے رہے گا۔"

پیاری بولی " تو میں ہی یہاں رہ کر کیا کروں گی! مجھے بھی لیتے چلو۔"

دلاری اسے ساتھ لے چلنے کو تیار نہ تھی۔ کچھ روز زندگی کا لطف اٹھانا چاہتی تھی اگر پردیس میں بھی یہی ضابطہ رہا تو جانے سے فائدہ ہی کیا! بولی " بہن، تو چلتی تو کیا بات تھی۔ لیکن پھر یہاں تو سارا کاروبار چوپٹ ہو جائیگا۔ تم کچھ نہ کچھ دیکھ بھال کرتی ہی رہو گی۔"

روانگی کی تاریخ سے ایک روز پہلے ہی رام پیاری سے نے رات بھر جاگ کر حلوا پوڑی پکائی جب سے اس گھر میں آئی کبھی ایک روز کے لئے بھی تنہا رہنے کا اتفاق نہیں ہوا دونوں بہنیں ہمیشہ ساتھ رہیں آج اس ہولناک موقع کو سامنے آتے دیکھ کر پیاری کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ وہ دیکھتی تھی کہ متھرا خوش ہے لڑکے باہر جانے کی خوشی میں کھانا پینا بھولے ہوئے ہیں تو اس کے جی میں آتا تھا کہ وہ بھی اسی طرح سے بے غم رہے محبت دیہات کی بکر بیروں تلے کچل ڈالے لیکن وہ محبت جس غذا کو کھا کھا کر پلی تھی اسے اپنے سامنے سے ہٹتے جاتے دیکھ کر بے قرار ہونے سے نہ رک سکی دلاری تو اس طرح بنیکر بیٹھی تھی جیسے کوئی میلا دیکھنے جا رہی تھی۔ نئی چیزوں کے دیکھنے نئی دنیا کی سیر کرنیکے شوق نے اسے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ پیاری کے سر انتظام کا روبار تھا۔ دھوبی کے گھر سے سب کپڑے آگئے ہیں یا نہیں کون کون سے برتن ساتھ جائیں گے۔ سفر خرچ کے لئے کتنے روپیے کی ضرورت ہوگی۔ ایک بچے کو کھانسی آرہی تھی۔ دوسرے کو کئی روز سے دست آرہے تھے۔ ان دونوں کی دواؤں کو کوٹنا پیسنا وغیرہ سینکڑوں کام اپنے مصروف کئے ہوئے تھے لاولد

ہوکر بھی وہ بچوں کی داشت و پرداخت میں دلاری سے ہوشیار تھی دیکھو بچوں کو زیادہ مارنا پیٹنا مت، مارنے سے بچے ضدی اور بے حیا ہو جاتے ہیں بچوں کے ساتھ آدمی کو بچہ بن جانا پڑتا ہے کبھی ان کے ساتھ کھیلنا پڑتا ہے کبھی ہنسنا پڑتا ہے اگر تم چاہو کہ ہم آرام سے پڑے رہیں اور بچے چپ چاپ بیٹھے رہیں ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں تو یہ نہیں ہو سکتا بچے تو طبیعت کے تیز ہوتے ہیں۔ انہیں کسی نہ کسی کام میں پھنسائے رکھو دھیلے کا ایک کھلونا ہزار گھرکیوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

دلاری ان ہدایتوں کو اس بے توجہی سے سن رہی تھی۔ گویا کوئی پاگل بک رہا ہو۔

رخصت کا روز پیاری کے لئے امتحان کا دن تھا۔ اس کے جی میں آتا تھا۔ کہ کہیں چلی جائے تاکہ وہ منظر نہ دیکھنا پڑے ہائے گھڑی بھر میں یہ گھر سونا ہو جائے گا وہ دن بھر گھر میں تنہا پڑی رہے گی کس سے ہنسے گی کس سے بولے گی؟ یہ سوچ کر اس کا دل لرزا جاتا تھا جوں جوں وقت قریب آتا تھا۔ اس کے حواس معطل ہوتے جاتے تھے وہ کوئی کام کرتے کرتے جیسے کھو جاتی تھی۔ اور ٹکٹکی باندھ کر کسی چیز کی طرف دیکھنے لگتی تھی کبھی موقع پا کر تنہائی میں جا کر تھوڑا سا رو لیتی تھی۔ دل کو سمجھا رہی تھی۔ کہ یہ لوگ اپنے ہوتے تو کیا۔ اس طرح جاتے۔ یہ مانا کہ ناتہ ہے مگر کسی پر زور تو نہیں۔ دوسروں کے لئے کتنا ہی مرو پھر بھی اپنے نہیں ہوتے پانی تیل میں کتنا ہی ملے، پھر بھی الگ ہی رہے گا بچے نئے نئے کپڑے پہنے نواب بنے گھوم رہے تھے پیاری انہیں پیار کرنے کے لئے گود میں لینا چاہتی تھی تو روتے کا منہ بنا کر چھڑا کر بھاگ جاتے ہیں دس بجتے بجتے دروازے پر بیل گاڑی آگئی لڑکے پہلے ہی سے اس پر جا بیٹھے گاؤں کے کتنے ہی مرد عورتیں ملنے آئیں پیاری کو اس وقت ان کا آنا برا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ دلاری سے تھوڑی دیر تنہائی میں گلے مل کر رونا چاہتی تھی، متھرا سے ہاتھ جوڑ کر کہنا چاہتی تھی۔ کہ میری کھوج خبر لیتے رہنا۔ تمہارے سوا اب دنیا میں میرا کون ہے؛ لیکن گڑبڑ میں اسے ان باتوں کا موقع نہ ملا متھرا اور دلاری دونوں

گاڑی میں جا بیٹھے اور پیاری دروازے پر کھڑی روتی رہ گئی۔ وہ اتنی حواس باختہ تھی کہ اسے گاؤں کے باہر تک پہنچانے کا بھی ہوش نہ رہا۔

(۶)

کئی روز تک پیاری بیہوشی میں پڑی رہی۔ نہ گھر سے نکلی، نہ چولہا جلایا۔ نہ ہاتھ منہ دھویا۔ اس کا ہلواہا جوکھو بار بار آ کر کہتا "مالکن اٹھو منہ ہاتھ دھوؤ کچھ کھاؤ پیو کب تک اس طرح پڑی رہو گی؟"

اس طرح کی تسلی گاؤں کی اور عورتیں بھی دیتی تھیں، لیکن ان کی تسلی میں ایک قسم کے بغض کا انداز پایا جاتا تھا۔ اور جوکھو کی آواز میں سچی ہمدردی جھلکتی تھی۔ جوکھو کام چور، باتونی اور نشے باز تھا۔ پیاری اسے برابر ڈانٹتی رہتی تھی۔ وہ ایک بار اسے نکال بھی چکی تھی مگر متھرا کی سفارش سے پھر رکھ لیا تھا۔ آج بھی جوکھو کی ہمدرد بھری باتیں سن کر جھنجھلاتی۔ یہ کام کرنے کیوں نہیں جاتا۔ یہاں میرے پیچھے کیوں پڑا ہے مگر اسے جھڑکنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت اسے ہمدردی کی ضرورت تھی۔ پھل کانٹے دار درخت میں بھی ملیں تو کیا انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

رفتہ رفتہ طبیعت بہلنے لگی۔ زندگی کا کاروبار جاری ہوا۔ اب کھیتی کا سارا بار پیاری پر تھا۔ لوگوں نے رائے دی کہ ایک ہل توڑ دو۔ اور کھیتوں کو اٹھا دو لیکن پیاری کی وضعداری یوں ڈھول پیٹ کر اپنی شکست قبول نہ کر سکتی تھی تمام کام سابق کی طرح چلنے لگے ادھر متھرا کے خط و کتابت نہ کرنے سے اس کے جذبات کو اور اشتعال ہوا وہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے بھروسے بیٹھی ہوں یہاں اس کے کھلانے کا بھی دعویٰ رکھتی ہوں اس کے بھیجنے سے مجھے کوئی خزانہ مل جاتا اسے اگر میری فکر نہیں ہے تو میں اس کی کب پروا کرتی ہوں گھر میں تو اب کوئی زیادہ کام رہا نہیں پیاری تمام کھیتی باڑی کے کاموں میں لگی رہتی خربوزہ بوئے تھے وہ خوب پھلے اور بکے۔ سب دودھ گھر میں خرچ ہو جاتا تھا۔ اب بکنے لگا۔

پیاری کے خیالات میں بھی ایک عجیب انقلاب پیدا ہوگیا وہ اب صاف ستھرے کپڑے پہنتی مانگ چوٹی کی طرف سے بھی اتنی بے توجہ نہ تھی۔ زیوروں کا بھی شوق ہوا۔ روپے ہاتھ میں آتے ہی اس نے اپنے گردی کے گہنے چھڑائے اور کھانے میں بھی احتیاط کرنے لگی تالاب پہلے کھیتوں کو سیراب کرکے خود خالی ہوجاتا تھا۔ اب نکاس کی نالیاں بند ہوگئی تھیں تالاب میں پانی جمع ہونے لگا۔ اب اس میں ہلکی ہلکی لہریں بھی تھیں۔ کھلے ہوئے کنول بھی تھے ایک روز جوکھو کنوئیں سے لوٹا تو اندھیرا ہوگیا تھا۔ پیاری نے پوچھا۔ "اب تک وہاں کیا کرتا رہا"

جوکھو نے کہا "چار کیاریاں بچ رہی تھیں، میں نے سوچا دس موٹ اور کھینچ دوں کل کا جھنجھٹ کون رکھے۔"

جوکھو اب کچھ دنوں سے کام میں جی لگانے لگا تھا۔ جب تک مالک اس کے سر پر سوار رہتے تھے۔ وہ حیلے بہانے کرتا تھا۔ اب سب کچھ اس کے ہاتھ میں تھا پیاری سارے دن کنوئیں پر تھوڑی ہی رہ سکتی تھی۔ اس لئے اب اس میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہوگیا تھا۔ پیاری نے پانی کا لوٹا رکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہاتھ منہ دھو ڈالو۔"

"آدمی جان رکھ کر کام کرتا ہے۔ ہائے ہائے کرنے سے کچھ نہیں ہوتا کھیت آج نہ ہوتے۔ کل ہوتے، کیا جلدی تھی؟"

جوکھو نے سمجھا پیاری بگڑ رہی ہے اس نے تو اپنی سمجھ میں کارگزاری کی تھی اور سمجھا تھا تعریف ہوگی۔ یہاں اعتراض ہوا۔ چڑ کر بولا "مالکن تم داہنے بائیں دونوں طرف چلتی ہو، جو بات نہیں سمجھتی ہو۔ اس میں کیوں کودتی ہو۔ کل کے لئے تو اونچے کے کھیت پڑے سوکھ رہے ہیں۔ آج بڑی مشکل سے کنواں خالی ہوا ہے سویرے میں نہ پہنچتا تو کوئی اور آ کر ڈٹ جاتا۔ پھر ہفتے بھر تک راہ دیکھنی پڑتی تب تک تو او کھ بدا ہو جاتی۔"

پیاری اس کی سادگی پر ہنس کر بولی۔ "ارے تو میں تجھے کچھ کہہ تھوڑی ہی رہی ہوں میں تو کہتی ہوں کہ جان رکھ کر کام کر کہیں بیمار پڑ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

جوکھو "لکون بیمار پڑ جائے گا بیس برس سے کبھی سر تک تو نہیں دکھا۔ آئندہ کی نہیں جانتا۔ کھو رات بھر کام کرتا رہوں۔"

پیاری "میں کیا جانوں، تمہیں آئے دن بیٹھے رہتے تھے اور پوچھا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ بخار آ گیا تھا۔ پیٹ میں درد تھا۔"

جوکھو جھینپتا ہوا بولا "وہ باتیں جب تھیں جب مالک لوگ چاہتے تھے اسے پیس ڈالیں اب تو جانتا ہوں میرے ہی سر ہے میں نہ کروں گا تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔"

پیاری "میں کیا دیکھ بھال نہیں کرتی ہ؟"

جوکھو "تم بہت کرو گی تو دو وقت چلی جاؤ گی تمام دن تم وہاں بیٹھی تو نہیں رہ سکتیں پیاری کو اس کی اخلاص بھری باتوں نے فریفتہ کر لیا بولی، اتنی رات گئے چولھا جلاؤ گے بیاہ کیوں نہیں کر لیتے ؟"

جوکھو نے منہ دھوتے ہوئے کہا تم بھی خوب کہتی ہو مالکن اپنے پیٹ بھر کو تو ہوتا نہیں بیاہ کر لوں سوا سیر کھاتا ہوں ایک وقت پورا سوا سیر دونوں وقت کے لئے ڈھائی سیر چاہیئے

پیاری "اچھا آج میری رسوئی میں کھاؤ۔ دیکھوں کتنا کھاتے ہو؟"

جوکھو نے گلوگیر آواز میں کہا۔ نہیں مالکن تم پکاتے پکاتے تھک جاؤ گی۔ ہاں آدھ آدھ سیر کی دو روٹیاں پکا دو تو کھا لوں۔ میں تو یہی کرتا ہوں بس آٹا گوندھ کر دو روٹ بنا لیتا ہوں اوپر سے سینک لیتا ہوں کبھی میٹھے سے کبھی پیاز سے اور آکر پڑ رہتا ہوں

پیاری "میں تجھے آج پھلکے کھلاؤں گی۔"

جوکھو "تب تو ساری رات کھاتے ہی گذر جائے گی۔"

پیاری "بکو مت جلدی آکر بیٹھ جاؤ۔"

جوکھو "ذرا بیلوں کو چارہ پانی دیتا آؤں تو بیٹھوں۔"

(۷)

جوکھو اور پیاری میں ٹھنی ہوئی تھی۔

پیاری نے کہا "میں کہتی ہوں کہ دھان روپنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جھڑی لگ جائے تو کھیت ڈوب جائے بارش رُک جائے تو کھیت سوکھ جائے جوار۔ باجرہ سن ارہر سب تو ہیں دھان نہ سہی"

جوکھو نے اپنے کندھے پر پھاوڑا رکھتے ہوئے کہا جب سب کا ہوگا تو میرا بھی ہوگا سب کا ڈوب جائے گا تو میرا بھی ڈوب جائے گا! میں کیوں کسی سے پیچھے رہوں بابا کے زمانے میں پانچ بیگھے سے کم نہیں روپا جاتا تھا۔ برجو بھیّا نے اس میں ایک دو بیگھے اور بڑھا دیئے، مُتھرا نے بھی ہر سال تھوڑے بہت روپے تو کیا میں سب سے گیا گذرا ہوں میں پانچ بیگھے سے کم نہ لگاؤں گا"

"تب گھر کے دو جوان کام کرنے والے تھے"

"میں تنہا ان دونوں کے برابر کھاتا ہوں، دونوں کے برابر کام کیوں نہ کروں گا؟"

"چل جھوٹا کہیں کا۔ کہتا تھا دو سیر کھاتا ہوں چار سیر کھاتا ہوں آدھ سیر میں ہی رہ گیا"

"کسی روز تولو تو معلوم ہو"

"تولا ہے۔ بڑے کھانے والے! میں کہے دیتی ہوں دھان نہ روپو مزدور ملیں گے نہیں، تمہیں ہلکان ہونا پڑے گا"

"تمہاری بلا سے ہلکان ہوں گا نا! یہ بدن کس روز کام آئے گا"

پیاری نے اس کے کندھے سے پھاوڑا لے لیا۔ اور بولی "پہر رات سے پہر رات تک تال ہی میں رہو گے نہ میرا دل گھبرائے گا"

جوکھو کو دل کے گھبرانے کا تجربہ نہ تھا۔ کوئی کام نہ ہو تو آدمی پڑ کر سو رہے دل کیوں گھبرائے گا بولا۔ جی گھبرائے تو سو رہنا میں گھر رہوں گا تب تو اور جی گھبرائیگا میں بیکار بیٹھتا ہوں۔

تب مجھے بار بار کھانے کی سوجھتی ہے باتوں میں دیر ہو رہی ہے اور بادل گھرتے آتے ہیں

پیاری نے کہا "اچھا کل جانا۔ آج بیٹھو۔"

جوکھو نے گویا مجبور ہو کر کہا۔ اچھا بیٹھ گیا۔ کہو کیا کہتی ہو۔"

پیاری نے تمسخر کے انداز سے پوچھا "کہنا کیا ہے میں تم سے پوچھتی ہوں۔ اپنا بیاہ کیوں نہیں کروا لیتے۔ میں اکیلی مرا کرتی ہوں۔ تب ایک سے دو تو ہو جائیں گے"

جوکھو شرماتا ہوا بولا "تم نے پھر وہی بات چھیڑ دی مالکن! کس سے بیاہ کروں؟ میں ایسی جورو لے کر کیا کروں۔ جو گہنے کے لئے جان کھاتی رہے۔"

پیاری "یہ تم نے بڑی کڑی شرط لگائی۔ ایسی عورت کہاں ملے گی جو گہنا نہ چاہتی ہو

جوکھو "یہ میں تھوڑا ہی کہتا ہوں۔ کہ وہ گہنا نہ مانگے، ہاں میری جان نہ کھائے تم نے تو کبھی گہنے کے لئے ضد نہیں کی۔ بلکہ اپنے گہنے دوسروں کو دے دیئے"

پیاری کے رخساروں پر ہلکا سا رنگ آگیا۔ بولی "اچھا اور کیا چاہتے ہو؟"

جوکھو "میں کہنے لگوں گا۔ تو بگڑ جاؤ گی"

پیاری کی آنکھوں میں شرم کی ایک لہر دوڑ گئی، بولی، بگڑنے کی بات ہوگی تو ضرور بگڑوں گی

جوکھو "تو میں نہ کہوں گا"

پیاری نے اسے پیچھے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ کہو گے کیسے نہیں میں کہلا کر چھوڑ دوں گی"

جوکھو "اچھا تو سنو میں چاہتا ہوں۔ کہ وہ تمہاری طرح ہو، ایسی ہی لجانے والی ہو ایسی ہی بات چیت میں ہوشیار ہو۔ ایسا ہی اچھا کھانا پکاتی ہو، ایسی ہی کفایت شعار ہو، ایسی ہی ہنس مکھ ہو۔ بس ایسی عورت ملے گی تو بیاہ کروں گا نہیں تو اسی طرح پڑا رہوں گا۔

پیاری کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا پیچھے ہٹ کر بولی۔ تم بڑے دل لگی باج ہو ہنسی ہنسی میں سب کچھ کہہ گئے"

ہمارا جسم پرا

زندگی قائم ہے۔ دنیا کے قدیم

ایک مٹھی میں ایک ایک قطرے میں تاریں پیچے

اور یہ سو سال کی بڑھیا آج بھی نئی دلہن بنی ہوئی ہے۔

جب سے لالہ ڈونگامل نے نئی شادی کی ہے ان کی جوانی از سر نو عود کر آئی ہے۔ پہلی بیوی بقید حیات تھی۔ وہ بہت کم گھر رہتے تھے۔ صبح سے دس گیارہ بجے تک تو پوجا پاٹھ ہی کرتے رہتے، پھر کھانا کھا کر دکان پر چلے جاتے، وہاں سے ایک بجے رات کو لوٹتے اور تھکے ماندے سو جاتے۔ اگر لیلا کبھی کہتی کہ ذرا اور سویرے آجایا کرو تو بگڑ جاتے تمہارے لئے کیا دکان بند کر دوں یا روزگار چھوڑ دوں۔ یہ وہ زمانہ نہیں ہے کہ ایک لوٹا جل چڑھا کر لکشمی کو خوش کر لیا جائے۔ آج کل لکشمی کو چوکھٹ پر ماتھا رگڑنا پڑتا ہے تب بھی ان کا منہ سیدھا نہیں ہوتا۔ لیلا بیچاری خاموش ہو جاتی۔

ابھی چھ مہینے کی بات ہے لیلا کو زور کا بخار تھا۔ لالہ جی دکان پر چلنے لگے تو لیلا نے ڈرتے ڈرتے کہا "دیکھو میری طبیعت اچھی نہیں ہے ذرا سویرے آجانا"

لالہ جی نے پگڑی اتار کھونٹی پر لٹکا دی اور بولے "اگر میرے بیٹھے رہنے سے تمہارا جی اچھا ہو جائے تو میں دوکان پر نہ جاؤں گا"

لیلا رنجیدہ ہو کر بولی میں یہ کب کہتی ہوں۔ کہ تم دکان نہ جاؤ میں تو ذرا سویرے

[redacted] موج کرتا ہوں؟"

[redacted] ری یہ بے اعتنائی اُس کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی ادھر کئی [redacted] س کا دل روز تجربہ ہو رہا تھا۔ کہ اس گھر میں اس کی قدر نہیں ہے اگر [redacted] ں چکی تھی۔ تو اس کا کیا قصور تھا۔ کس کی جوانی ہمیشہ قائم رہتی ہے لازم تو یہ تھا کہ [redacted] رفاقت اب گہرے روحانی تعلق میں تبدیل ہو جاتی جو ظاہر سے بے نیاز رہتی [redacted] یب کو بھی حسن دیکھنے لگتی ہے، جو پکے پھل کی طرح زیادہ شیریں زیادہ خوشنما ہو [redacted] بانی ہے۔ لیکن لالہ جی کا تاجر دل ہر ایک چیز کو تجارت کے ترازو پر تولتا تھا بوڑھی گائے جب نہ دودھ دے سکتی ہو نہ بچے، تو اس کے لئے گئو شالہ سے بہتر کوئی جگہ نہیں ان کے خیال میں لیلا کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ کہ وہ گھر کی مالکن بن رہے آرام سے کھائے پہنے اور پڑی رہے اسے اختیار ہے چاہے جتنے زیور بنوائے چاہے جتنی خیرات اور پوجا کرے روزے رکھے، صرف ان سے دور رہے، فطرت انسانی کی نیرنگیوں کا ایک کرشمہ یہ تھا لالہ جی جس دلجوئی اور حظ سے لیلا کو محروم رکھنا چاہتے تھے، خود اسی کیلئے ابلہانہ سرمستی سے متلاشی رہتے تھے۔ لیلا چالیس کی ہو کر بوڑھی سمجھ لی گئی تھی مگر وہ پینتالیس کے ہو کر ابھی جوان تھے جوانی کے ولولوں اور مسرتوں سے بیقرار، لیلا سے اب انہیں ایک طرح کی کراہت ہوتی تھی اور وہ غریب جب اپنی خامیوں کے حسرتناک احساس کی وجہ سے فطرت کی بے رحمیوں کے ازالے کیلئے رنگ روغن کی آڑ لیتی تو وہ اس کی بوالہوسی سے اور بھی متنفر ہو جاتے۔" چہ خوش! سات لڑکوں کی تو ماں ہو گئیں، بال کھچڑی ہو گئے، چہرہ ڈھلے ہوئے فلالین کی طرح پرشکن ہو گیا۔ مگر آپ کو ابھی مہاور اور سیندور، مہندی اور اُبٹن کی ہوس باقی ہے، عورتوں کی بھی کیا فطرت ہے! نہ جانے کیوں آرائش پر اس قدر جان دیتی ہیں پوچھو اب تمہیں اور کیا چاہیئے؟ کیوں نہیں دل کو سمجھا لیتیں کہ جوانی رخصت ہو گئی اور

اوران تدبیروں سے اسے واپس نہیں بلایا جا سکتا۔ لیکن وہ خود جوانی کا خواب دیکھتے رہتے تھے طبیعت جوانی سے سیر نہ ہونی جاڑوں میں کشتوں اور معجونوں کا استعمال کرتے رہتے تھے ہفتے میں دوبار خضاب لگاتے اور کسی ڈاکٹر سے بندر کے غدودوں کے متعلق خط وکتابت کر رہے تھے۔

لیلا نے انہیں شش و پنج کی حالت میں کھڑا دیکھ کر مایوسانہ انداز سے کہا "کچھ بتلا سکتے ہو کے بجے آؤ گے

لالہ جی نے ملائم لہجے میں کہا "تمہاری طبیعت آج کیسی ہے ؟"

لیلا کیا جواب دے ؟ اگر کہتی ہے۔ بہت خراب ہے تو شاید یہ حضرت یہیں بیٹھ جائیں اور اسے جلی کٹی سنا کر اپنے دل کا بخار نکالیں۔ اگر کہتی ہے اچھی ہوں تو شاید بے فکر ہو کر دو بجے رات کی خبر لائیں۔ ڈرتے ڈرتے بولی "! ابتک تو اچھی تھی لیکن اب کچھ کچھ بھاری ہو رہی ہے۔ لیکن تم جاؤ دکان پر لوگ تمہارے منتظر ہوں گے۔ مگر ایشور کے لئے دو۔ بجا دینا۔ لڑکے سو جاتے ہیں، مجھے ذرا بھی اچھا نہیں لگتا، طبیعت گھبراتی ہے

سیٹھ جی نے لہجے میں محبت کی چاشنی دے کر کہا "بارہ بجے تک آ جاؤں گا ضرور"

لیلا کا چہرہ اتر گیا "دس بجے تک نہیں آ سکتے۔"

"ساڑھے گیارہ سے پہلے کسی طرح نہیں۔"

"ساڑھے دس بھی نہیں۔"

"اچھا گیارہ بجے !"

گیارہ پر مصالحت ہو گئی۔ لالہ جی وعدہ کر کے چلے گئے۔ لیکن شام کو ایک دوست نے مجرا سننے کی دعوت دی۔ اب بچارے اس دعوت کو کیسے رد کر دیتے جب ایک آدمی آپ کو خاطر سے بلاتا ہے تو یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ آپ اس کی دعوت نامنظور کر دیں وہ آپ سے کچھ مانگتا نہیں آپ سے کسی طرح کی رعایت کا خواستگار نہیں محض دوستانہ بے تکلفی سے آپ کو اپنی بزم میں شرکت کی دعوت دیتا ہے۔ آپ پر اسکی دعوت قبول

کرنا فرض ہو جاتا ہے گھر کے جنجال سے کسے فرصت ہوتی ہے۔ ایک نہ ایک کام تو روز لگا ہی رہتا ہے کبھی کوئی بیمار ہے۔ کبھی پوجا ہے کبھی کچھ۔ اگر آدمی یہ سوچے کہ گھر سے بےفکر ہو کر جائیں گے تو اسے سارے دوستانہ مراسم منقطع کر لینے پڑیں گے اسے شاید ہی گھر سے کبھی فراغت نصیب ہو۔ لالہ جی مجرا سننے چلے گئے۔ تو دو بجے پھوٹے آتے ہی اپنے کمرے کی گھڑی کی سوئیاں پیچھے کر دیں لیکن ایک گھنٹے سے زیادہ کی گنجائش کسی طرح نہ نکال سکے دو کو ایک کہہ سکتے ہیں گھڑی کی تیزی کے سر الزام رکھا جاتا ہے لیکن دو کو بارہ نہیں کہہ سکتے پچھلے سے آکر نوکر کو جگایا۔ کھانا کھا کر آئے تھے اپنے کمرے میں جا کر لیٹ رہے لیلا ان کی راہ دیکھتی ہر لمحہ درد اور بےچینی کی بڑھتی ہوتی شدت کا احساس کرتی نہ جانے کب سو گئی تھی ایسے جگانا سوئے ہوئے فتنے کو جگانا تھا۔

غریب لیلا اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکی، لالہ جی کو اس کی وفات کا بیحد روحانی صدمہ ہوا۔ دوستوں نے تعزیت کے تار بھیجے، کئی دن تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا ایک روز آئنہ اخبار نے مرنیوالی کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے اس کی دماغی اور اخلاقی خوبیوں کی مبالغہ آمیز تصویر کھینچی۔ لالہ جی نے ان سب ہمدردوں کا دلی شکریہ ادا کیا اور انکے خلوص و وفاداری کا اظہار جنت نصیب لیلا کے نام سے لڑکیوں کے لئے پانچ وظیفے قائم کرنیکی صورت میں نمودار ہوا۔ وہ نہیں مریں صاحب میں مر گیا۔ زندگی کی شمع ہدایت گل ہو گئی اب تو جینا اور رونا ہے ایں تو ایک حقیر انسان تھا، نہ جانے کس کار خیر کے صلے میں مجھے یہ نعمت بارگاہ ایزدی سے عطا ہوئی تھی۔ میں تو اس کی پرستش کرنے کے قابل بھی نہ تھا وغیرہ۔

چھ مہینے کی عزلت اور نفس کشی کے بعد لالہ ڈونگا مل نے دوستوں کے اصرار سے دوسری شادی کر لی۔ آخر غریب کیا کرتے زندگی میں ایک رفیق کی ضرورت تو تھی ہی اور اس عمر میں تو رفیق کی ضرورت اور زیادہ ہو گئی تھی۔ لکڑی کی ضرورت تو جبھی ہوتی ہے جب پاؤں میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رہتی۔

(۲)

جب سے نئی بیوی آئی ہے لالہ جی کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب ہو گیا ہے دکان سے اب انہیں اس قدر انہماک نہیں ہے۔ متواتر نہ جانے سے بھی ان کے کاروبار میں کوئی ہرج واقع نہیں ہوتا۔ زندگی سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت جوان میں روز بروز مضمحل ہوتی جاتی تھی۔ اب یہ ترشح پاکر پھر سرسبز ہو گئی ہے اس میں نئی نئی کونپلیں پھوٹنے لگی ہیں۔ موٹر نیا آگیا ہے۔ کمرے نئے فرنیچر سے آراستہ کر دیئے گئے ہیں نوکروں کی تعداد میں معقول اضافہ ہو گیا ہے۔ ریڈیو بھی لگا دیا گیا ہے۔ لالہ جی کو بوڑھی جوانی جوانوں کی جوانی سے بھی زیادہ پرخروش اور ولولہ انگیز ہو رہی ہے اسی طرح جیسے بجلی کی روشنی چاند کی روشنی سے زیادہ شفاف اور نظر فریب ہوتی ہے لالہ جی کو ان کے احباب ان کی اس جوان طبعی پر مبارکباد دیتے ہیں تو وہ تفاخر کے انداز سے کہتے ہیں "بھئی ہم تو ہمیشہ جوان رہے اور جوان رہیں گے بڑھاپا میرے آئے تو اس کے منہ پر سیاہی لگا کر گدھے پر الٹا سوار کر کے شہر بدر کر دوں جوانی اور بڑھاپے کو لوگ نہ جانے عمر سے کیوں منسوب کرتے ہیں جوانی کا عمر سے اتنا ہی تعلق ہے۔ جتنا مذہب کا اخلاق سے روپے کا ایمانداری سے حسن کا آرائش سے آجکل کے جوانوں کو آپ جوان کہتے ہیں۔ ارے صاحب میں انکی ایک ہزار جوانیوں کو اپنی جوانی کے ایک گھنٹے سے نہ تبدیل کروں۔ معلوم ہوتا ہے زندگی میں کوئی دلچسپی ہی نہیں کوئی شوق ہی نہیں زندگی کیا ہے گلے میں پڑا ہوا ڈھول ہے۔ یہی الفاظ وہ کچھ ضروری ترمیم کے بعد آشا دیوی کے لوح دل پر نقش کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ہمیشہ سینما، تھیٹر سیر دریا کے لئے اصرار کرتے ہیں۔ لیکن آشا نہ جانے کیوں ان دلچسپیوں سے ذرا بھی متاثر ہو جاتی تو ہے مگر بہت اصرار کے بعد ایک دن لالہ جی نے آکر کہا "چلو آج بجرے پر دریا کی سیر کر آئیں۔"

بارش کے دن تھے دریا چڑھا ہوا تھا۔ ابر کی قطاریں بین الاقوامی فوجوں کی سی رنگ برنگ وردیاں پہنے آسمان پر قواعد کر رہی تھیں، سڑک پر لوگ ملہار اور بارہ ماسے

گاستے چلے جارہے تھے۔ باغوں میں جھولے پڑ گئے تھے۔

آشا نے بے دلی سے کہا "میرا تو جی نہیں چاہتا"

لالہ جی نے تادیب آمیز اصرار سے کہا "تمہاری کیسی طبیعت ہے جو سیر و تفریح کی جانب مائل نہیں ہوتی"

"آپ جائیں، مجھے اور کئی کام کرنے ہیں۔"

"کام کرنے کو ایشور نے آدمی دے دیئے ہیں۔ تمہیں کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"مہراج اچھا سالن نہیں پکاتا، آپ کھانے بیٹھیں گے تو یوں ہی اُٹھ جائیں گے؟"

لیلا اپنی فرصت کا بیشتر حصہ لالہ جی کے لئے انواع و اقسام کے کھانے پکانے میں صرف کرتی تھی۔ کسی سے سن رکھا تھا کہ ایک خاص عمر کے بعد مردوں کی زندگی کی خاص دلچسپی لذت زبان رہ جاتی ہے۔ لالہ جی کے دل کی کلی کھل گئی آشا کو ان سے کس قدر محبت ہے کہ وہ سیر کو ان کی خدمت پر قربان کر رہی ہے۔ ایک لیلا تھی کہ کہیں جاؤں پیچھے پیچھے چلنے کو تیار، پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا تھا۔ بہانے کرنے پڑتے تھے خواہ سر پر سوار ہو جاتی تھی۔ اور سارا مزہ کرکرا کر دیتی تھی۔

بولے "تمہاری بھی عجیب طبیعت ہے۔ اگر ایک دن سالن بے مزہ ہی رہا تو ایسا کیا طوفان آجائے گا! تم اس طرح میرے رئیسانہ چونچلوں کا لحاظ کرتی رہو گی تو مجھے بالکل آرام طلب بنا دو گی۔ اگر تم نہ چلو گی تو میں بھی نہ جاؤں گا۔"

آشا نے جیسے گلے سے پھندا چھڑاتے ہوئے کہا "آپ بھی تو مجھے اِدھر اُدھر گھما کر میرا مزاج بگاڑ دیتے ہیں یہ عادت پڑ جائے گی تو گھر کے دھندے کون کریگا؟"

لالہ جی نے فیاضانہ لہجے میں کہا "مجھے گھر کے دھندوں کی ذرا برابر پرواہ نہیں ہے بال کی نوک برابر بھی نہیں، میں چاہتا ہوں کہ تمہارا مزاج بگڑے اور تم اس گھر کی چکی سے دور ہو اور تم مجھے بار بار آپ کیوں کہتی ہو؟ میں چاہتا ہوں، تم مجھے، تم، کہو، تو، کہو،

محبت کی گالیاں دو غصے کی صلواتیں سناؤ" لیکن تم مجھے آپ کہہ کر جیسے دیوتا کے سنگھاسن پر بٹھا دیتی ہو، میں اپنے گھر میں دیوتا نہیں شریر چھوکرا بنکر رہنا چاہتا ہوں"

آشا نے مسکرانے کی کوشش کر کے کہا "آئے توج! بھلا میں آپ کو تم کہوں گی، تم برابر والوں کو کہا جاتا ہے یا بڑوں کو؟"

منیم جی نے ایک لاکھ کے گھاٹے کی پرملال خبر سنائی ہوتی تب بھی لالہ جی کو شاید اتنا صدمہ نہ ہوتا۔ جتنا آشا کے ان بھولے بھالے الفاظ سے ہوا۔ ان کا سارا جوش سارا ولولہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ جیسے برف کی طرح منجمد ہو گیا۔ سر پر مانگی رکھی ہوئی رنگین پھولدار ٹوپی گلے میں پڑی ہوئی جو گئے رنگ کی ریشمی چادر وہ تن زیب کا بیلدار کرتہ جس میں سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے یہ سارا ٹھاٹ جیسے انہیں مضحکہ خیز معلوم ہونے لگا۔ جیسے سارا نشہ کسی منتر سے اتر گیا ہو۔

دل شکستہ ہو کر بولے "تو تمہیں چلنا ہے یا نہیں؟"

"میرا جی نہیں چاہتا"

"تو میں بھی نہ جاؤں؟"

"میں آپ کو کب منع کرتی ہوں"

"پھر "آپ" کہا!"

آشا نے جیسے اندر سے زور لگا کر کہا "تم" اور اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

"ہاں اس طرح "تم" کہا کرو۔ تو تم نہیں چل رہی ہو؟ اگر میں کہوں کہ تمہیں چلنا پڑے گا۔ تب؟"

"تب چلوں گی، آپ کے حکم کی پابندی میرا فرض ہے؟"

لالہ جی حکم نہ دے سکے فرض اور حکم جیسے الفاظ سے ان کے کانوں میں خراش سی ہونے لگی کھسیانے ہو کر باہر چلے۔ اس وقت آشا کو ان پر رحم آگیا۔ بولی تو کب تک لوٹو گے

"میں نہیں جارہا ہوں؟"

"اچھا تو میں بھی چلتی ہوں!"

جس طرح ضدی لڑکا رونے کے بعد اپنی مطلوبہ چیز پا کر اسے پیروں سے ٹھکرا دیتا ہے۔ اسی طرح لالہ جی نے رونا منہ بنا کر کہا "تمہارا جی نہیں چاہتا تو نہ چلو میں مجبور نہیں کرتا۔"

"آپ..... نہیں تم برا مان جاؤ گے؟"

آشا سیر کرنے گئی لیکن اُمنگ سے نہیں جو معمولی ساڑی پہنے ہوئے تھی وہی پہنے چل کھڑی ہوئی نہ کوئی ساڑی نہ کوئی مرصع زیور نہ کوئی سنگار جیسے بیوہ ہو۔

ایسی ہی باتوں سے لالہ جی دل میں جھنجھلائے، شادی کی بھی زندگی کا لطف اٹھانے کے لئے جھلملاتے ہوئے چراغ میں تیل ڈال کر اسے روشن کرنے کے لئے اگر چراغ کی روشنی تیز نہ ہوئی تو تیل ڈالنے سے کیا فائدہ؟ نہ جانے اس کی طبیعت کیوں اس قدر خشک اور افسردہ ہے، جیسے کوئی اُوسر کا درخت ہو کتنا ہی پانی ڈالو اس میں ہری پتیوں کے درشن ہی نہیں ہوتے۔ جڑاؤ زیوروں کے بھرے صندوق رکھے ہیں۔ کہاں کہاں سے منگوائے دہلی سے، کلکتے سے، فرانس سے کیسی کیسی قیمتی ساڑیاں رکھی ہوئی ہیں ایک نہیں سینکڑوں، مگر صندوق میں کیڑوں کی خوراک بننے کے لئے غریب خاندان کی لڑکیوں میں بھی یہی عیب ہوتا ہے، ان کی نگاہ ہمیشہ تنگ رہتی ہے نہ کھا سکیں نہ پہن نہ دے سکیں انہیں تو خزانہ بھی مل جائے تو یہی سوچتی رہیں گی۔ کہ بھلا اسے خرچ کیسے کریں!

دریا کی سیر تو ہوئی مگر کچھ لطف نہ آیا۔

(۳)

کئی ماہ تک آشا کی طبیعت کو ابھارنے کی ناکام کوشش کر کے لالہ جی نے سمجھ لیا کہ یہ محرم کی پیدائش ہے لیکن پھر بھی برابر مشق جاری رکھی اس بیوپار میں ایک خطیر رقم صرف

کرنے کے بعد وہ اس سے زیادہ سے زیادہ نفع اٹھانے کے تاجرانہ تقاضے کو کیسے نظرانداز کرتے دلچسپی کی نئی نئی صورتیں پیدا کی جاتیں. گراموفون اگر بگڑ گیا ہے، گانا نہیں، یا آواز صاف نہیں نکالتا تو اس کی مرمت کرانی پڑے گی اسے اٹھاکر رکھ دینا یہ تو حماقت ہے،

ادھر بوڑھا مہراج بیمار ہوکر چلا گیا تھا۔ اور اس کی جگہ اس کا سولہ سترہ سال کا لڑکا آگیا تھا۔ کچھ عجیب مسخرا سا۔ بالکل اُجڈ اور دیہقانی، کوئی بات ہی نہ سمجھتا اِس کے پھلکے اقلیدس کی شکلوں سے بھی زیادہ مختلف الاشکال ہوجاتے بیچ میں موٹے کناریے پتلے دال کبھی تو اتنی پتلی جیسے چائے اور کبھی اتنی گاڑھی جیسے دہی، کبھی نمک اتنا کم کہ بالکل پھیکا، کبھی اتنا تیز کہ نیبو کا نمکین اچار۔ آشا سویرے ہی سے رسوئی میں پہنچ جاتی اور اس بدسلیقے مہراج کو کھانا پکانا سکھاتی "تم کتنے نالائق آدمی ہو جگل؛ آخر اتنی عمر تک تم کیا گھاس کھودتے رہے یا بھاڑ جھونکتے رہے کہ پھلکے تک نہیں بنا سکتے!"

جگل آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتا "بہوجی! ابھی میری عمر ہی کیا ہے سترھواں ہی سال تو ہے؛"

آشا ہنس پڑی "تو روٹیاں پکانا کیا دس بیس سال میں آتا ہے؟"

"آپ ایک مہینہ میں سکھادیں بہوجی، پھر دیکھنا میں آپ کو کیسے پھلکے کھلاتا ہوں کہ جی خوش ہوجائے جس دن مجھے پھلکے بنانے آجائیں گے میں آپ سے کوئی انعام لوں گا سالن تو اب میں کچھ کچھ پکانے لگا ہوں نہ؟"

آشا حوصلہ افزا تبسم سے بولی "سالن نہیں وہ پکانا آتا ہے ابھی کل ہی نمک اتنا تیز تھا کہ کھایا نہ گیا"

"میں جب سالن بنا رہا تھا۔ تو آپ یہاں کب تھیں؟"

"اچھا! تو جب میں یہاں بیٹھی رہوں تب تمہارا سالن لذیذ پکے گا؟"

"آپ بیٹھی رہتی ہیں۔ تو میری عقل ٹھکانے رہتی ہے؟"

"اور میں نہیں رہتی تب؟"

"تمہارے دادا آ جائیں گے تم چلے جاؤ گے؟"

"نہیں بہو جی، کسی اور کام میں لگا دیجئے گا مجھے موٹر چلانا سکھوا دیجئے گا نہیں۔ نہیں آپ ہٹ جایئے میں پتیلی اتار لوں گا۔ ایسی اچھی ساڑی ہے آپ کی کہیں داغ لگ جائے گا تو کیا ہو؟"

"دور ہو، بھوہڑ تو تم ہو ہی، کہیں پتیلی پیر پر گر پڑے تو مہینوں جھیلو گے!"

جنگل افسردہ ہو گیا۔ نحیف چہرہ اور بھی خشک ہو گیا۔

آشا نے مسکرا کر پوچھا "کیوں! منہ کیوں لٹک گیا سرکار کا؟"

"آپ ڈانٹ دیتی ہیں۔ بہو جی، تو میرا دل ٹوٹ جاتا ہے سیٹھ جی کتنا ہی گھڑکیں مجھے ذرا بھی صدمہ نہیں ہوتا۔ آپ کی نظر کڑی دیکھ کر جیسے میرا خون سرد ہو جاتا ہے۔

آشا نے تشفی دی۔ "میں نے تمہیں ڈانٹا نہیں۔ صرف اتنا ہی کہا کہ کہیں پتیلی پاؤں پر گر پڑے تو کیا ہو؟"

" پاؤں تو آپ کا بھی ہے۔ کہیں آپ کے ہاتھ سے ہی چھوٹ پڑے تب؟"

سیٹھ جی نے رسوئی کے دروازے پر آ کر کہا "آشا ذرا یہاں آنا۔ دیکھو تمہارے لئے کتنے خوشنما گملے لایا ہوں۔ تمہارے کمرے کے سامنے رکھے جائیں گے تم وہاں دھوئیں دھکڑ میں کیا پریشان ہوتی ہو لونڈے سے کہہ دو کہ مہراج کو بلائے ورنہ میں کوئی دوسرا انتظام کر لوں گا، مہراجوں کی کمی نہیں ہے آخر کب تک کوئی رعایت کرے اس گنوار کو تو ذرا بھی تمیز نہ آئی" سنتا ہے جنگل، آج لکھ دے اپنے باپ کو چولھے پر توا رکھا ہوا تھا۔ آشا روٹیاں بیل رہی تھی جنگل توے کے لئے روٹیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ ایسی حالت میں بھلا وہ کیسے گملے دیکھنے جاتی؟ کہنے لگی "ابھی آتی ہوں ذرا روٹی بیل رہی ہوں۔ چھوڑ دوں گی تو جنگل ٹیڑھی میڑھی بیلے گا۔"

لالہ جی نے کچھ چڑھ کر کہا "اگر روٹیاں ٹیڑھی میڑھی بیلے گا تو نکال دیا جائے گا۔"
آشا ان سنی کر کے بولی "دس پانچ دن میں سیکھ جائے گا۔ نکالنے کی کیا ضرورت ہے"
"تم چل کر بتا دو گملے کہاں رکھے جائیں"
"کہتی ہوں روٹیاں بیل کر آجاتی ہوں۔"
"نہیں میں کہتا ہوں تم روٹیاں مت بیلو۔"
"تم خواہ مخواہ ضد کرتے ہو۔"
لالہ جی سناٹے میں آگئے۔ آشا نے کبھی اتنی بے التفاتی سے انہیں جواب نہ دیا تھا۔ اور یہ محض بے التفاتی نہ تھی۔ اس میں ترشی بھی تھی۔ خفیف ہو کر چلے گئے۔ انہیں ایسا غصہ آ رہا تھا۔ کہ ان گملوں کو توڑ کر پھینک دیں اور سارے پودوں کو چولہے میں ڈال دیں۔"
جھنگل نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا "آپ چلی جائیں بہو جی سرکار ناراض ہو گئے۔"
"بکو مت! جلد جلد روٹیاں سینکو، نہیں تو نکال دیئے جاؤ گے اور آج مجھ سے روپے لے کر اپنے لئے کپڑے بنوا لو۔ بھیک منگوں کی سی صورت بنائے گھومتے ہو اور بال کیوں اتنے بڑھا رکھے ہیں، تمہیں نائی بھی نہیں جڑتا؟"
"کپڑے بنوا لوں تو دادا کو کیا حساب دوں گا؟"
"ارے بیوقوف! میں حساب میں نہیں دینے کو کہتی مجھ سے لے جانا۔"
"آپ بنوائیں گی تو اچھے کپڑے لوں گا۔ مہین کھدر کا کرتا کھدر کی دھوتی ریشمی چادر، اچھا سا چپل۔"
"آشا نے مٹھاس بھرے تبسم سے کہا "اور اگر اپنے دام سے بنوا نے پڑیں تو؟"
"تب کپڑے بنواؤں گا ہی نہیں۔"
"بڑے چالاک ہو تم۔"

"آدمی اپنے گھر پر روکھی روٹی کھاکر سو رہتا ہے۔ لیکن دعوت میں اچھے اچھے پکوان ہی کھاتا ہے۔"

"یہ سب میں نہیں جانتی ایک گاڑھے کا کرتہ بنوالو اور ایک ٹوپی۔ حجامت کے لئے دو آنے کے پیسے لے لو۔"

"رہنے دیجئے میں نہیں لیتا۔ اچھے کپڑے پہن کر نکلوں گا تو آپ کی یاد آئے گی۔ سڑیل کپڑے ہوئے تو جی جلے گا۔"

"تم بڑے خود غرض ہو، مفت کے کپڑے لوگے اور اعلیٰ درجے کے!"

"جب یہاں سے جانے لگوں گا تو آپ مجھے اپنی ایک تصویر دے دیجئے گا۔"

"میری تصویر لے کر کیا کروگے؟"

"اپنی کوٹھڑی میں لگا دوں گا۔ اور دیکھا کروں گا۔ بس وہی ساڑھی پہن کر کھچوانا جو کل پہنی تھی، اور وہی موتیوں والی مالا بھی ہو۔ مجھے ننگی ننگی صورت اچھی نہیں لگتی آپ کے پاس تو بہت گہنے ہوں گے، آپ پہنتی کیوں نہیں!

"تو تمہیں گہنے اچھے لگتے ہیں؟"

"بہت"

لالہ جی نے پھر آکر خفیف آمیز لہجے میں کہا "ابھی تک تمہاری روٹیاں نہیں پکیں جنگل! اگر کل سے تم نے اپنے آپ اچھی روٹیاں نہ بنائیں، تو میں تمہیں نکال دوں گا!"

آشا نے فوراً ہاتھ دھوئے اور بڑی مسرت آمیز تیزی سے لالہ جی کے ساتھ جا کر گملوں کو دیکھنے لگی۔ آج اس کے چہرے پر غیر معمولی شگفتگی نظر آرہی تھی اس کے انداز گفتگو میں بھی دل آویز شیرینی تھی۔ لالہ جی کی ساری خفت غائب ہو گئی آج اس کی زبان سے نہیں دل سے نکلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ بولی "میں ان میں سے کوئی گملا نہ جانے دوں گی سب میرے کمرے کے سامنے رکھوانا، سب کتنے سندر پودے ہیں واہ

اِن کے ہندی نام بھی بتا دینا۔"

لالہ جی نے چھیڑا یہ سب لے کر کیا کرو گی؟ دس پانچ پسند کر لو۔ باقی میں باہر باغیچے میں رکھوا دوں گا۔

"جی نہیں، میں ایک بھی نہیں چھوڑوں گی۔ سب یہیں رکھے جائیں گے۔"

"بڑی حریص ہو تم۔"

"حریص ہی سہی، میں آپ کو ایک بھی نہ دوں گی۔"

"دس پانچ تو دے دو، اتنی محنت سے لایا ہوں۔"

"جی نہیں ان میں سے ایک بھی نہ ملے گا۔"

(۴)

دوسرے دن آشا نے اپنے کو زیوروں سے خوب آراستہ کیا اور فیروزی ساڑی پہن کر نکلی تو لالہ جی کی آنکھوں میں نور آ گیا اب ان کی عاشقانہ دلجوئیوں کا کچھ اثر ہو رہا ہے ضرور ورنہ ان کے بار بار تقاضہ کرنے پر منت کرنے پر ابھی اس نے کوئی زیور نہ پہنا تھا کبھی کبھی موتیوں کا ہار گلے میں ڈال لیتی تھی۔ وہ بھی بیدلی سے آج ان زیوروں سے مرصع ہو کر وہ پھولی نہیں سماتی، اترائی جاتی ہے، گویا کہتی ہے۔ دیکھو میں کتنی حسین ہوں پہلے جو کلی تھی وہ آج کھل گئی ہے۔

لالہ صاحب پر گھڑوں کا نشہ چڑھا ہوا ہے وہ چاہتے ہیں ان کے احباب واعزا آکر اس سونے کی رانی کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کریں دیکھیں کہ ان کی زندگی کتنی پر لطف ہے۔ جو انواع و اقسام کے شکوک دشمنوں کے دلوں میں پیدا ہوئے تھے وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ اعتماد، رواداری اور فراست نے کتنا خلوص پیدا کر دیا ہے۔

انہوں نے تجویز کی "چلو کہیں سیر کر آئیں، بڑی مزیدار ہوا چل رہی ہے۔"

آشا اس وقت کیسے آ سکتی ہے ابھی اسے رسوئی جانا ہے، وہاں سے کہیں بارہ ایک

بجے تک فرصت ملے گی پھر گھر کے کام دھندے سر پر سوار ہو جائیں گے اسے کہاں فرصت ہے پھر کل سے اسے کلیجہ میں کچھ درد بھی ہو رہا ہے، رہ رہ کر درد اٹھتا ہے ایسا درد کبھی کبھی نہ ہوتا تھا۔ رات نہ جانے کیوں درد ہونے لگا۔

سیٹھ جی ایک بات سوچ کر دل ہی دل میں پھول اُٹھے وہ گولیاں رنگ لا رہی ہیں راج وید نے آخر کہا بھی تھا کہ "ذرا سوچ سمجھ کر ان کا استعمال کیجئے"۔ کیوں نہ ہو خاندانی وید ہے اس کا باپ مہاراجہ بنارس کا معالج تھا۔ پرانے مجرب نسخے ہیں۔ اس کے پاس چہرے پر سراسیمگی کا رنگ بھر کر پوچھا۔ تو رات ہی سے یہ درد ہو رہا ہے تم نے مجھ سے کہا نہیں ورنہ وید جی سے کوئی دوا منگوا دیتا۔"

"میں نے سمجھا تھا۔ کہ آپ ہی آپ اچھا ہو جائے گا مگر بڑھ رہا ہے۔"

"کہاں درد ہو رہا ہے؟ ذرا دیکھوں تو کچھ آماس تو نہیں ہے؟"

سیٹھ جی نے آشا کے آنچل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ آشا نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اور بولی یہی تمہاری شرارت مجھے اچھی نہیں لگتی جا کر کوئی دوا لا دو۔"

سیٹھ جی اپنی جوانمردی کا یہ ڈپلومہ پا کر اس سے کہیں زیادہ محفوظ ہوئے۔ جتنا شاید رائے بہادری کا خطاب پا کر ہوتے اپنے اس کارنمایاں کی داد لئے بغیر انہیں کیسے چین ہوتا۔ جو لوگ ان کی شادی سے متعلق شبہ آمیز سرگوشیاں کرتے تھے انہیں زک دینے کا کتنا نادر موقع ہاتھ آیا ہے، پہلے پنڈت بھولا ناتھ کے گھر پہنچے اور بادل درد مند بولے "میں تو بھئی سخت مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ کل سے ان کے سینے میں درد ہو رہا ہے۔ کچھ عقل کام نہیں کرتی۔ کہتی ہیں۔ ایسا درد پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔"

بھولا ناتھ نے کچھ زیادہ ہمدردی کا اظہار نہیں کیا۔ بولے ہوا لگ گئی ہو گی اور کیا سیٹھ جی نے ان سے اختلاف کیا "نہیں پنڈت جی ہوا کا فساد نہیں ہے۔ کوئی اندرونی شکایت ہے۔ ابھی کمسن ہیں نہ؟ راج وید سے کوئی دوا لئے لیتا ہوں۔"

"میں تو سمجھتا ہوں آپ ہی آپ اچھا ہو جائے گا۔"

"آپ بات نہیں سمجھتے، یہی آپ میں نقص ہے۔"

"آپ کا جو خیال ہے وہ بالکل غلط ہے مگر خیر دوا لا کر دیجئے اور اپنے لئے بھی کوئی دوا لیتے آیئے گا۔"

سیٹھ یہاں سے اٹھ کر اپنے دوسرے دوست لالہ بھاگ مل کے پاس پہنچے۔ اور ان سے بھی قریب قریب انہیں الفاظ میں یہ پر ملال خبر کہی بھاگ مل بڑا شہدا تھا، مسکرا کر بولا "مجھے تو آپ کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔"

سیٹھ جی کی باچھیں کھل گئیں "میں اپنا دکھ سنا رہا ہوں اور تمہیں مذاق سوجھتا ہے ذرا بھی انسانیت تم میں نہیں ہے۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ بھلا اس میں مذاق کی کیا بات، وہ ہیں۔ کمسن نازک اندام، آپ، ٹھہرے آزمودہ کار، مرد میدان۔ بس اگر یہ بات نہ نکلے تو مونچھیں منڈوا ڈالوں۔"

سیٹھ جی نے متین صورت بنائی۔ "میں تو بھئی بڑی احتیاط کرتا ہوں تمہارے سر کی قسم۔"

"جی رہنے دیجئے، میرے سر کی قسم نہ کھایئے میرے بھی...... بال بچے ہیں گھر کا اکیلا آدمی ہوں۔ کسی قاطع دوا کا استعمال کیجئے۔"

"انہیں، راج وید سے کوئی دوا لئے دیتا ہوں۔"

"اس کی دوا وید جی کے پاس نہیں آپ کے پاس ہے۔"

سیٹھ جی کی آنکھوں میں نور آ گیا، شباب کا احساس پیدا ہوا اور اس کے ساتھ چہرے پر بھی شباب کی جھلک آ گئی۔ سینہ جیسے کچھ فراخ ہو گیا چلتے وقت ان کا پیر کچھ زیادہ مضبوطی سے زمین پر پڑنے لگا اور سر کی ٹوپی بھی خدا جانے کیوں کج ہو گئی بشرے سے

ایک بانکپن کی شان برس رہی تھی۔ راج وید نے مژدہ جان فزا سُنا تو بولے میں نے کہا تھا ذرا سوچ سمجھ کر ان گولیوں کا استعمال کیجئے گا۔ آپ نے میری ہدایت پر توجہ نہ کی ذرا مہینے دو مہینے ان کا استعمال کیجئے اور پرہیز کے ساتھ رہیئے۔ پھر دیکھئے ان کا اعجاز اب گولیاں بہت کم رہی ہیں لوٹ مچی رہتی ہے۔ لیکن ان کا بنانا اتنا مشکل اور وقت طلب ہے کہ ایک بار ختم ہو جانے پر مہینوں تیاری میں لگ جاتے ہیں ہزاروں بوٹیاں ہیں کیلاش نیپال اور تبت سے منگائی پڑتی ہیں۔ اور اس کا بنانا تو آپ جانتے ہیں۔ کتنا لوہے کے چنے چبانا ہے آپ احتیاطاً ایک شیشی لیتے جایئے۔

(۵)

جگل نے آشا کو سر سے پاؤں تک جگمگاتے دیکھ کر کہا۔ بس بہو جی! آپ اسی طرح پہنے اوڑھے رہا کریں آج میں آپ کو چولھے کے پاس نہ آنے دوں گا۔"

آشا نے شرارت آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔ کیوں آج یہ سختی کیوں؟ کئی دن تو تم نے منع نہیں کیا۔"

"آج کی بات دوسری ہے۔"

"ذرا سنوں کیا بات ہے؟"

"میں ڈرتا ہوں کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں۔"

"نہیں نہیں کہو، میں ناراض نہ ہوں گی۔"

"آج آپ بہت سندر لگ رہی ہیں۔"

"لالہ ڈنگامل نے سینکڑوں ہی بار آشا کے حسن و انداز کی تعریف کی تھی، مگر ان کی تعریف میں اسے تصنع کی بو آتی تھی۔ وہ الفاظ ان کے منہ سے کچھ اس طرح لگتے تھے، جیسے کوئی ہیجڑا تلوار لے کر چلے جگل کے ان الفاظ میں ایک کیفیت تھی ایک سرور تھا۔ ایک ہیجان تھا۔ ایک اضطراب تھا۔ آشا کے سارے جسم میں رعشہ آ گیا آنکھیں

میں جیسے نشہ چھا جائے۔

"تم مجھے نظر لگا دو گے۔ اس طرح کیوں گھورتے ہو؟"

"جب یہاں سے چلا جاؤں گا تب آپ کی بہت یاد آئے گی۔"

"روٹی بنا کر تم کیا کرتے ہو؟ دکھائی نہیں دیتے۔"

"سرکار رہتے ہیں۔ اسی لئے نہیں آتا۔ پھر اب تو مجھے جواب مل رہا ہے۔ دیکھئے بھگوان کہاں لے جاتے ہیں۔"

آشا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "کون تمہیں جواب دیتا ہے۔"

"سرکار ہی تو کہتے ہیں تجھے نکال دوں گا۔"

"اپنا کام کئے جاؤ۔ کوئی نہیں نکالے گا۔ اب تو تم روٹیاں بھی اچھی بنانے لگے

"سرکار ہیں بڑے گسہ ور

"دو چار دن میں ان کا مزاج ٹھیک کئے دیتی ہوں۔"

"آپ کے ساتھ چلتے ہیں تو جیسے آپ کے باپ سے لگتے ہیں۔"

"تم بڑے بدمعاش ہو۔ خبردار، زبان سنبھال کر باتیں کرو۔"

مگر خفگی کا یہ پردہ اس کے دل کا راز نہ چھپا سکا۔ وہ روشنی کی طرح اس کے اندر سے باہر نکل پڑتا تھا۔ جگل نے اسی بیباکی سے کہا۔ "میری زبان کوئی بند کر دے یہاں تو سب ہی کہتے ہیں۔ میرا بیاہ کوئی پچاس سال کی بڑھیا سے کر دے تو میں تو گھر چھوڑ کر بھاگ جاؤں" "یا تو خود زہر کھا لوں یا اسے زہر دے کر مار ڈالوں۔ پھانسی ہی تو ہو گی۔"

آشا مصنوعی غصہ قائم نہ رکھ سکی۔ جگل نے اس کے دل کے تاروں پر مضراب کی ایسی چوٹ ماری تھی کہ اس کے بہت ضبط کرنے پر بھی دردِ دل باہر نکل ہی آیا۔

"قسمت بھی تو کوئی چیز ہے۔"

"ایسی قسمت جائے جہنّم میں"۔

"تمہاری شادی کسی بڑھیا سے کردوں گی"۔ دیکھ لینا"۔

"تو میں بھی زہر کھا لوں گا۔ دیکھ لیجئے گا"۔

"کیوں؟ بڑھیا تمہیں جوان سے زیادہ پیار کرے گی، زیادہ خدمت کرے گی"۔ تمہیں سیدھے راستے پر رکھے گی"۔

"یہ سب ماں کا کام ہے۔ بیوی جس کام کے لئے ہے اسی کے لئے ہے"

"آخر بیوی کس کام کے لئے ہے؟"

"آپ مالک ہیں نہیں تو بتلا دیتا بیوی کس کام کے لئے ہے"۔

موٹر کی آواز آئی۔ نہ جانے کیسے آشا کے سر کا آنچل کھسک کر کندھے پر آگیا تھا۔ اس نے جلدی سے آنچل سر پر کھینچ لیا۔ اور یہ کہتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی۔ "لالہ کھانا کھا کر چلے جائیں گے، تم ذرا آجانا"۔

گُلّی ڈنڈا

ہمارے انگریزی خواں دوست مانیں یا نہ مانیں میں تو یہی کہوں گا کہ گلی ڈنڈا سب کھیلوں کا راجہ ہے۔ اب بھی جب کبھی لڑکوں کو گلی ڈنڈا کھیلتے دیکھتا ہوں۔ تو جی لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے کہ ان کے ساتھ جا کر کھیلنے لگوں۔ نہ لان (میدان) کی ضرورت ہے نہ کورٹ کی، نہ نیٹ کی نہ بلے کی۔ مزے سے کسی درخت کی ایک شاخ کاٹ لی، گلی بنائی اور دو آدمی بھی آ گئے تو کھیل شروع ہو گیا۔ ولایتی کھیلوں میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ ان کے سامان بہت مہنگے ہوتے ہیں جب تک کم از کم ایک سو خرچ نہ کیجئے کھلاڑیوں میں شمار ہی نہیں ہو سکتا یہاں گلی ڈنڈا ہے کہ بغیر ہینگ پھٹکری لگے چوکھا رنگ دیتا ہے لیکن ہم انگریزی کھیلوں پر ایسے دیوانے ہو رہے ہیں کہ اپنی سب چیزوں سے ہمیں نفرت سی ہو گئی ہے ہمارے اسکولوں میں ہر ایک لڑکے سے تین چار روپے سالانہ صرف کھیلنے کی فیس لیجاتی ہے۔ کسی کو یہ نہیں سوجھتا کہ ہندوستانی کھیلیں کھلائیں جو بغیر پیسے کوڑی کے کھیلے جاتے ہیں انگریزی کھیل ان کے لئے ہیں۔ جن کے پاس روپیہ ہے، بیچارے غریب لڑکوں کے سر پر یہ فضول خرچیاں کیوں منڈھتے ہو؟ ٹھیک ہے گلی سے آنکھ پھوٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے تو کیا کرکٹ سے سر پھوٹ جانے، تلی پھوٹ جانے ٹانگ ٹوٹ جانے کا خدشہ نہیں رہتا؛ اگر ہمارے ماتھے میں گلی کا داغ آج تک لگا ہوا ہے تو ہمارے کئی دوست ایسے بھی ہیں جو بلے سے گھائل ہونے کا سرٹیفکیٹ رکھتے ہیں۔ خیر یہ تو اپنی اپنی پسند ہے مجھے گلی ڈنڈا سب کھیلوں سے زیادہ پسند ہے اور بچپن کی یادوں میں گلی ڈنڈا ہی سب سے زیادہ شیریں یاد ہے وہ علی الصبح گھر سے نکل جانا، وہ درخت پر چڑھ کر ٹہنیاں کاٹنا اور گلی ڈنڈے بنانا۔

وہ جوش و خروش، وہ لگن، کھلاڑیوں کے جمگھٹے وہ پدنا اور پدانا، وہ لڑائی جھگڑے وہ بے تکلف سادگی جس میں چھوت اچھوت اور غریب امیر کی کوئی تمیز نہ تھی جس میں امیرانہ چونچلوں کی غرور اور خود نمائی کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اسی وقت بھوسے گا جب گھر والے بگڑ رہے ہیں والد صاحب چوکے پر بیٹھے ہوئے روٹیوں پر اپنا غصہ اتار رہے ہیں، اماں کی دوڑ صرف دروازے تک ہے، لیکن ان کے خیال میں میرا تاریک مستقبل ٹوٹی ہوئی کشتی کی طرح ڈگمگا رہا ہے اور میں ہوں کہ پدانے میں مست ہوں نہ نہانے کا خیال ہے نہ کھانے کا گلی ہے تو ذرا سی مگر اس میں دنیا بھر کی مٹھائیوں کی مٹھاس اور تماشوں کا لطف بھرا ہوا ہے۔

میرے ہمجولیوں میں ایک لڑکا گیا نام کا تھا۔ مجھ سے دو تین سال بڑا ہو گا۔ دبلا لمبا، بندروں کی سی پھرتی، بندروں کی سی لمبی لمبی انگلیاں، بندروں کی سی جھپٹ گلی کیسی ہو اس پر لپکتا تھا۔ جس طرح چھپکلی کیڑوں پر لپکتی ہے۔ معلوم نہیں اس کے ماں باپ کون تھے۔ کہاں رہتا تھا۔ کیا کھاتا تھا۔ پر تھا ہمارے گلی کلب کا چیمپین جس کی طرف وہ آجائے اس کی جیت یقینی تھی ہم سب اسے دور سے آتا دیکھ اس کا استقبال کرتے تھے اور اسے اپنا گوئیاں بنا لیتے تھے۔

ایک دن ہم اور گیا دو ہی کھیل رہے تھے۔ وہ پدا رہا تھا میں پد رہا تھا، لیکن کچھ عجیب بات ہے۔ کہ پدانے میں ہم دن بھر مست رہ سکتے ہیں۔ پدنا ایک منٹ کا بھی سہا نہیں جاتا میں نے گلا چھڑانے کے لئے وہ سب چالیں چلیں جو ایسے موقع پر خلاف قانون ہوتے ہوئے بھی قابل معافی ہیں۔ لیکن گیا اپنا داؤں لئے بغیر میرا پیچھا نہ چھوڑتا تھا میں گھر کی طرف بھاگا، منت سماجت اور خوشامد کا کوئی اثر نہ ہوا گیا نے مجھے دوڑ کر پکڑ لیا۔ اور ڈنڈا تان کر بولا "میرا داؤں دے کر جاؤ۔ پدایا تو بہادر بن کر، پدنے کے وقت کیوں بھاگے جاتے ہو؟"

"تم دن بھر بدپاؤ تو میں دن بھر بدپتا رہوں!"

"ہاں تمہیں دن بھر بدنا پڑے گا!"

"نہ کھانے جاؤں نہ پینے جاؤں!"

"ہاں میرا داؤں دیئے بغیر کہیں نہیں جا سکتے۔"

"میں تمہارا غلام ہوں!"

"ہاں تم میرے غلام ہو!"

"میں گھر جاتا ہوں" دیکھوں تم میرا کیا کر لیتے ہو؟"

"گھر کیسے جاؤ گے کوئی دل لگی ہے۔ داؤں دیا ہے۔ داؤں لیں گے۔"

"اچھا کل میں نے تمہیں امرود کھلایا تھا۔ وہ رکھ دو۔"

"وہ پیٹ میں چلا گیا ہے۔"

"نکالو پیٹ سے۔ تم نے کیوں کھایا میرا امرود؟"

"امرود تم نے دیا تب میں نے کھایا میں تم سے مانگنے نہ گیا تھا۔"

"جب تک میرا امرود نہ دو گے، میں داؤں نہ دوں گا۔"

میں سمجھتا تھا انصاف میری طرف ہے آخر میں نے کسی غرض کے لئے ہی اسے امرود کھلایا ہوگا۔ کون کسی کے ساتھ بے غرضانہ سلوک کرتا ہے۔ بھیک تک تو غرض کے لئے ہی دیتے ہیں۔ جب گیا نے میرا امرود کھایا تو پھر اسے مجھ سے داؤں لینے کا کیا حق حاصل ہے۔ رشوت دے کر تو لوگ خون چھپا جاتے ہیں وہ میرا امرود یوں ہی ہضم کر جائے گا امرود پیسے کے پانچ والے تھے۔ جو گیا کے باپ کو بھی نصیب نہ ہوں گے یہ سراسر بے انصافی تھی۔

گیا نے مجھے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا "میرا داؤں دے کر جاؤ امرود سمرود میں نہیں جانتا۔"
مجھے انصاف کا زور تھا۔ میں ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہتا تھا۔ وہ مجھے جانے نہ دیتا

تھا میں نے گالی دی۔ اس نے اس سے بھی سخت گالی دی اور گالی ہی نہیں دی ایک چانٹا جمادیا۔ میں نے اسے دانت سے کاٹ لیا۔ اس نے میری پیٹھ پر ڈنڈا جمادیا میں رونے لگا۔ گیا میرے اس ہتھیار کا مقابلہ نہ کرسکا، بھاگا میں نے فوراً آنسو پونچھ ڈالے ڈنڈے کی چوٹ بھول گیا اور ہنستا ہوا گھر جا پہنچا۔ میں تھانے دار کا لڑکا ایک نیچ ذات کے لونڈے کے ہاتھوں پٹ گیا۔ یہ مجھے اس وقت بھی بے عزتی کا باعث معلوم ہوا لیکن گھر میں کسی سے شکایت نہ کی۔

ان ہی دنوں والد صاحب کا وہاں سے تبادلہ ہو گیا۔ نئی دنیا دیکھنے کی خوشی میں ایسا پھولا کہ اپنے ہمجولیوں سے جدا ہو جانے کا بالکل افسوس نہ ہوا۔ والد صاحب افسوس کرتے تھے۔ یہ بڑی آمدنی کی جگہ تھی۔ اماں جی بھی بہت افسوس کرتی تھیں یہاں سب چیزیں سستی تھیں۔ اور محلے کی عورتوں سے لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ لیکن میں مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا۔ لڑکوں سے شیخی بگھارتا تھا۔ وہاں ایسے گھر تھوڑے ہی ہیں، ایسے ایسے اونچے مکان ہیں۔ کہ آسمان سے باتیں کرتے ہیں وہاں کے انگریزی اسکول میں کوئی ماسٹر لڑکوں کو پیٹے تو قید ہو جائے۔ میرے دوستوں کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھیں اور متعجب چہرے صاف بتلا رہے تھے۔ کہ میں ان کی نگاہ میں کتنا اونچا اٹھ گیا ہوں۔ بچوں میں جھوٹ کو سچ بنا لینے کی وہ طاقت ہوتی ہے جسے ہم جو سچ کو جھوٹ بنا دیتے ہیں۔ نہیں سمجھ سکتے۔ دوست کہہ رہے تھے "تم خوش قسمت ہو بھائی جاؤ ہمیں تو اسی گاؤں میں جینا بھی ہے اور مرنا بھی۔"

بیس سال گذر گئے میں انجنیری پاس کی اور کسی ضلع کا دورہ کرتا ہوا اسی قصبے میں پہنچا اور ڈاک بنگلے میں ٹھہرا۔ اس جگہ کو دیکھتے ہی اس قدر دلکش اور شیریں یاد تازہ ہو اٹھی کہ میں نے چھڑی اٹھائی اور قصبے کی سیر کو نکلا۔ آنکھیں کسی پیاسے مسافر کی طرح بچپن کے ان مقامات کو دیکھنے کے لئے بیتاب تھیں جن کے ساتھ کتنی ہی

یادگاریں وابستہ تھیں۔ لیکن اس مانوس نام کے علاوہ وہاں کوئی شناسا نہ ملا۔ جہاں کھنڈر تھا۔ وہاں پکے مکانات کھڑے تھے۔ جہاں برگد کا پرانا درخت تھا وہاں اب ایک خوبصورت باغیچہ تھا۔ اس جگہ کی کایا پلٹ ہو گئی تھی۔ اس کے نام اور نشان کا علم نہ ہوتا۔ تو میں اُسے پہچان بھی نہ سکتا۔ وہ پرانی یادگاریں باہیں پھیلا پھیلا کر اپنے پرانے دوستوں کے گلے لپٹنے کے لئے بے قرار ہو رہی تھیں۔ مگر دنیا بدل گئی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ اس زمین سے لپٹ کر رو دُوں اور کہوں "تم مجھے بھول گئیں لیکن میرے دل میں تمہاری یاد تازہ ہے"

اچانک ایک کھلی جگہ میں میں نے دو تین لڑکوں کو گلی ڈنڈا کھیلتے دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے میں اپنے آپ کو بالکل بھول گیا۔ بھول گیا کہ میں ایک اونچا افسر ہوں صاحبی ٹھاٹھ میں، رعب اور اختیار کے لباس میں جا کر ایک لڑکے سے پوچھا "کیوں بیٹے یہاں کوئی گیا نام کا آدمی رہتا ہے۔"

ایک لڑکے نے گلی ڈنڈا سمیٹ کر سہمے ہوئے لہجے میں کہا "کون گیا" گیا چمار؟"

میں نے یوں ہی کہا "ہاں ہاں وہی گیا نام کا کوئی آدمی ہے تو شاید وہی ہو۔"

"ہاں ہے تو؟"

"ذرا اسے بلا سکتے ہو؟"

لڑکا دوڑا ہوا گیا اور جلد ایک پانچ ہاتھ کے کالے دیو کو ساتھ لئے آتا دکھائی دیا۔ میں نے دور سے ہی پہچان لیا۔ اس کی طرف لپکنا چاہتا ہی تھا۔ کہ اس کے گلے لپٹ جاؤں مگر کچھ سوچ سمجھ کر رہ گیا۔

بولا "کہو مجھے پہچانتے ہو؟"

گیا نے جھک کر سلام کیا "ہاں مالک بھلا پہچانوں گا نہیں۔ آپ مزے میں رہے؟"

"بہت مزے میں تم اپنی کہو؟"

"ڈپٹی صاحب کا سائیس ہوں"
"مانا، موہن، درگا یہ سب کہاں ہیں کچھ خبر ہے؟"
مانا تو مر گیا، موہن اور درگا دونوں ٹھاکے ہو گئے ہیں۔ آپ؟"
"میں ضلع کا انجینئر ہوں۔"
"سرکار تو پہلے ہی بڑے ذہین تھے۔"
"اب گلی ڈنڈا کھیلتے ہو؟"
گیا نے میری طرف سوال کی آنکھوں سے دیکھا۔ گلی ڈنڈا کیا کھیلوں گا سرکار اب تو پیٹ کے دھندے سے ہی چھٹی نہیں ملتی۔"
"آؤ آج ہم تم کھیلیں تم پدانا ہم پدیں گے۔ تمہارا ایک داؤں ہمارے اوپر ہے۔ وہ آج لے لو۔"
گیا بڑی مشکل سے راضی ہوا۔ وہ ٹھہرا ٹکے کا مزدور، میں ایک بڑا افسر۔ ہمارا اور اس کا کیا جوڑ بیچارہ جھینپ رہا تھا۔ لیکن مجھے بھی کم جھینپ نہ تھی۔ اس لئے نہیں کہ میں گیا کے ساتھ کھیلنے جا رہا تھا۔ بلکہ لوگ اس کھیل کو عجوبہ سمجھ کر اس کا تماشا بنائیں گے اور اچھی خاصی بھیڑ لگ جائے گی۔ اس بھیڑ میں وہ لطف کہاں رہے گا لیکن کھیلے بغیر تو رہا نہیں جاتا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ دونوں بستی سے دور تنہائی میں جا کر کھیلیں وہاں کون دیکھنے والا بیٹھا ہوگا مزے سے کھیلیں گے اور بچپن کی اس مٹھائی کو خوب مزے لے کر کھائیں گے۔ میں گیا کو لے کر ڈاک بنگلے پر آیا اور موٹر میں بیٹھ کر دونوں میدان کی طرف چلے ساتھ ایک کلہاڑی لے لی۔ میں متانت کے ساتھ یہ سب کچھ کر رہا تھا مگر گیا ابھی تک مذاق سمجھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی اور ولولے کا کوئی نشان نہ تھا شاید ہم دونوں میں جو فرق ہو گیا تھا۔ وہ اسے سوچنے میں محو تھا۔
میں نے پوچھا "تمہیں کبھی ہماری یاد آئی تھی گیا؟ سچ کہنا"

گیا جھینپتا ہُوا بولا "میں آپ کو کیا یاد کرتا حضور، کس لائق ہوں۔ قسمت میں کچھ دن آپ کے ساتھ کھیلنا لکھا تھا۔ نہیں تو میری کیا گنتی۔"

میں نے کچھ اداس ہو کر کہا "لیکن مجھے تو تمہاری یاد برابر آتی تھی۔ تمہارا وہ ڈنڈا جو تم نے تان کر جمایا تھا یاد ہے نا؟"

گیا نے شرماتے ہوئے کہا "وہ لڑکپن تھا سرکار، اس کی یاد نہ لاؤ۔"

"واہ، وہ میرے ان دنوں کی سب سے رسیلی یاد ہے، تمہارے اس ڈنڈے میں جو رس تھا۔ وہ اب نہ عزت اور بڑائی میں پاتا ہوں، نہ دولت میں کچھ ایسی مٹھاس تھی اس میں کہ آج تک من میٹھا ہوتا رہتا ہے۔"

اتنی دیر میں ہم بستی سے کوئی تین میل نکل آئے تھے۔ چاروں طرف سناٹا تھا مغرب کی طرف سے کوسوں تک بھیم تال پھیلا ہُوا تھا۔ جہاں آکر ہم کسی وقت کنول کے پھول توڑ لے جاتے تھے۔ اور اس کے جھمکے بنا کر کانوں میں ڈال لیتے تھے جون کی شام کیسر میں ڈوبی چلی آرہی ہے۔ میں لپک کر ایک درخت پر چڑھ گیا اور ایک شاخ کاٹ لایا۔ جھٹ پٹ گلی ڈنڈا بن گیا۔ کھیل شروع ہو گیا۔ میں نے راب میں گلی رکھ کر اچھالی۔ گلی گیا کے سامنے سے نکل گئی۔ اس نے ہاتھ لپکایا جیسے مچھلی پکڑ رہا ہو۔ گلی اسکے پیچھے جا گری۔ یہ وہی گیا تھا جس کے ہاتھوں میں گلی جیسے آپ ہی آپ جا کر بیٹھ جاتی تھی۔ وہ اپنے داہنے بائیں کہیں ہو۔ گلی اس کی ہتھیلی میں پہنچتی تھی جیسے گلیوں پر اس نے جادو کر کے انہیں بس میں کر لیا۔ نئی گلی، پرانی گلی، چھوٹی گلی، بڑی گلی نوک دار گلی سبھی اس سے مل جاتی تھیں۔ گویا اس کے ہاتھوں میں کوئی مقناطیسی طاقت ہے جو گلیوں کو کھینچ لیتی ہے۔ لیکن آج گلی کو اس طرح سے وہ محبت نہیں رہی پھر تو میں نے پدانا شروع کیا۔ میں طرح طرح کے فریب کر رہا تھا۔ مشق کی کمی بے ایمانی سے پوری کر رہا تھا۔ داؤں پورا ہونے پر بھی ڈانڈا کھیلے جاتا تھا۔ حالانکہ قاعدے کے

مطابق گیا کی باری آئی چاہیئے تھی۔ گلی پر ہلکی چوٹ پڑتی۔ اور وہ ذرا ہی دور پر گر پڑتی تو میں لپک کر اسے خود ہی اٹھا لاتا، اور دوبارہ ٹل لگاتا۔ گیا یہ ساری بے قاعدگیاں دیکھ رہا تھا۔ مگر کچھ نہ بولتا تھا۔ گویا اسے وہ تمام قاعدے قانون بھول گئے۔ ہوں اس کا نشانہ کتنا بے خطا تھا۔ گلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اس کا کام تھا ڈنڈے سے ٹکرا جانا۔ لیکن آج وہ گلی ڈنڈے میں لگتی ہی نہیں۔ کبھی داہنے جاتی ہے کبھی بائیں کبھی آگے، کبھی پیچھے۔

آدھ گھنٹہ پدانے کے بعد ایک بار گلی ڈنڈے میں آ لگی میں نے دھاندلی کی "گلی ڈنڈے میں نہیں لگی۔ پاس سے گئی۔ لیکن لگی نہیں"

گیا نے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ کیا "نہ لگی ہوگی"

"ڈنڈے میں لگتی تو کیا میں بے ایمانی کرتا!"

"نہیں بھیّا تم بھلا بے ایمانی کروگے!"

بچپن میں مجال تھی۔ کہ میں ایسا گھپلا کر کے بچتا۔ یہی گیا میری گردن پر چڑھا بیٹھتا لیکن آج میں اسے کتنی آسانی سے دھوکا دیئے چلے جاتا تھا۔ گدھا ہے ساری باتیں بھول گیا؟

اچانک گلی ڈنڈے میں لگی اور اتنے زور سے لگی جیسے بندوق چھوٹی ہو اس ثبوت کے مقابل اب کسی طرح کا فریب چلنے کا مجھے اس وقت بھی حوصلہ نہ ہو سکا لیکن کیوں نہ ایک بار سچ کو جھوٹ بنانے کی کوشش کروں میرا ہرج ہی کیا ہے مان گیا تو واہ واہ ورنہ دو چار ہاتھ پدنا ہی پڑے گا۔ اندھیرے کا بہانہ کر کے گلا چھڑا لوں گا۔ پھر کون داؤں دینے آتا ہے۔

گیا نے فاتحانہ انداز سے کہا۔ "لگ گئی لگ گئی ٹن سے بولی"

میں نے انجان بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ تم نے لگتے دیکھا میں نے

تو نہیں دیکھا" مٹن سے بولی ہے سرکار"

" اور جو کسی اینٹ میں لگ گئی ہو"

میرے منہ سے یہ فقرہ اس وقت کیسے نکل گیا۔ اس پر مجھے خود حیرت ہے اس سچائی کا جھٹلانا ایسا ہی تھا۔ جیسے دن کو رات بتانا ہم دونوں نے گلی ڈنڈے میں زور سے لگتے دیکھا تھا۔ لیکن گیا نے میرا کہا مان لیا۔

" ہاں سرکار کسی اینٹ میں لگی ہو گی ڈنڈے میں لگتی تو اتنی آواز نہ آتی"

میں نے پھر پداناشروع کیا لیکن اس قدر صاف اور صریح دھوکا دینے کے بعد گیا کی سادگی پر مجھے رحم آنے لگا۔ اس لئے جب تیسری بار گلی ڈنڈے میں لگی تو میں نے بڑی فراخ دلی سے داؤں دینا طے کر لیا۔

گیا نے کہا" اب تو اندھیرا ہو گیا ہے بھیّا کل پر رکھو"

میں نے سوچا کل بہت سا وقت ہو گا۔ یہ نہ جانے کتنی دیر پدائے اس لئے اسی وقت معاملہ صاف کر لینا اچھا ہو گا" نہیں نہیں بہت اُجالا ہے تم اپنا داؤں لے لو"

" گلی سوجھے گی نہیں۔"

" کچھ پرواہ نہیں۔"

گیا نے پدانا شروع کیا، لیکن اسے بالکل مشق نہ تھی۔ اس نے دو بار ٹُل لگانے کا ارادہ کیا۔ لیکن دونوں ہی بار چوک گیا۔ ایک منٹ سے کم میں وہ اپنا داؤں پورا کر چکا بے چارہ گھنٹہ بھر پدا لیکن ایک منٹ ہی میں اپنا داؤں کھو بیٹھا میں نے اپنے دل کی وسعت کا ثبوت دیا" ایک داؤں اور لے لو تم تو پہلے ہی ہاتھ میں ہیچ گئے۔

" نہیں بھیّا۔ اب اندھیرا ہو گیا ہے۔

" تمہاری مشق چھوٹ گئی۔ کبھی کھیلتے نہیں ہو؟"

" کھیلنے کا وقت ہی کہاں ملتا ہے بھیّا"

ہم دونوں موٹر پہ جا بیٹھے اور چراغ جلتے جلتے پڑاؤ پر پہنچ گئے۔
گیا چلتے چلتے بولا۔ کل گلی ڈنڈا ہوگا۔ سبھی پرانے کھلاڑی کھیلیں گے تم بھی آؤ گے جب تمہیں فرصت ہو سبھی کھلاڑیوں کو بلالوں"

میں نے شام کا وقت دیا اور دوسرے دن میچ دیکھنے گیا کوئی دس آدمیوں کی منڈلی تھی کئی میرے لڑکپن کے ساتھی نکلے۔ مگر بیشتر نوجوان تھے۔ جنہیں میں پہچان نہ سکا۔ کھیل شروع ہوا۔ میں موٹر پر بیٹھا تماشا دیکھنے لگا۔ آج گیا کا کھیل اور اس کی کرامات دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ وہ ٹل لگاتا تو گلی آسمان سے باتیں کرتی۔ کل کی وہ جھجھک، وہ ہچکچاہٹ وہ بے دلی آج نہ تھی۔ لڑکپن کی جو بات تھی آج اس نے اسے کمال معراج تک پہنچا دیا۔ کہیں کل اس نے مجھے اس طرح پدانا ہوتا تو میں ضرور رونے لگتا۔ اس کے ڈنڈے کی چوٹ کھا کر گلی دو سو گز کی خبر لاتی۔

پدانے والوں میں ایک نوجوان نے کچھ بے عنوانی کی اس کا دعویٰ تھا۔ کہ میں نے گلی دبوچ لی ہے۔ گیا کا کہنا تھا کہ گلی زمین سے لگ کر اچھلی ہے اس پر دونوں میں تال ٹھونکنے کی نوبت آئی۔ نوجوان دب گیا۔ گیا کا تمتمایا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ ڈر گیا میں کھیل میں نہ تھا۔ مگر دوسروں کے اس کھیل میں مجھے وہی لڑکپن کا لطف آ رہا تھا جب ہم سب کچھ بھول کر کھیل میں مست ہو جاتے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ گیا نے کل میرے ساتھ کھیلا نہیں صرف کھیلنے کا بہانہ کیا۔ اس نے مجھے قابل رحم سمجھا میں نے دھاندلی کی بے ایمانیاں کیں، اسے ذرا بھی غصہ نہ آیا۔ اس لئے کہ وہ کھیل نہ رہا تھا مجھے کھلا رہا تھا میرا جی رکھ رہا تھا۔ وہ پدا کر میرا کچومر نکالنا نہیں چاہتا تھا۔ میں اب افسر ہوں یہ افسری میرے اور اس کے درمیان اب دیوار بن گئی ہے میں اب اس کا لحاظ پا سکتا ہوں ادب پا سکتا ہوں لیکن اس کا ہمجولی نہیں بن سکتا۔ لڑکپن تھا تب میں اس کا ساتھی تھا ہم میں کوئی بھید نہ تھا یہ عہدہ پا کر اب میں اس کے رحم کے قابل ہوں وہ اب مجھے اپنا جوڑ نہیں سمجھتا وہ بڑا ہو گیا ہے میں چھوٹا ہو گیا ہوں۔

سوانگ

(۱)

راجپوت خاندان میں پیدا ہو جانے ہی سے کوئی سورما نہیں بن جاتا اور نہ نام کے پیچھے "سنگھ" کی دم لگا لینے ہی سے بہادری آتی ہے گجندر سنگھ کے بزرگ کسی زمانے میں راجپوت تھے اس میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن ادھر تین پشتوں سے تو نام کے سوا ان میں راجپوتی کی کوئی علامت نہ تھی۔ گجندر سنگھ کے جد بزرگوار وکیل تھے۔ اور جرح یا بحث میں کبھی کبھی راجپوتی کا مظاہرہ کر جاتے تھے۔ پدر بزرگوار نے کپڑے کی دکان کھول کر اس مظاہرے کی بھی گنجائش نہ رکھی۔ اور گجندر نے تو لٹیا ہی ڈبو دی۔ قد و قامت میں بھی فرق آتا گیا۔ بھوپندر سنگھ کا سینہ فراخ تھا۔ نریندر سنگھ کا شکم فراخ تھا۔ لیکن گجندر سنگھ کا کچھ بھی فراخ نہ تھا وہ ہلکے پھلکے، گورے چٹے عینک، باز، نازک بدن، فیشن ایبل بابو تھے۔ انہیں علمی مشاغل سے دلچسپی تھی۔

مگر راجپوت کیسا ہی ہو اس کی شادی تو راجپوت خاندان ہی میں ہو گی۔ گجندر سنگھ کی شادی جس خاندان میں ہوئی تھی۔ اس خاندان میں راجپوتی جوہر بالکل فنا نہیں ہوا تھا۔ ان کے خسر پنشنر صوبے دار تھے۔ سالے شکاری اور کشتی باز، شادی ہوئے دو سال ہو گئے تھے۔ لیکن ابھی تک ایک بار بھی سسرال نہ آ سکا تھا امتحانات سے فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ لیکن اب تعلیم ختم ہو چکی تھی۔ ملازمت کی تلاش تھی۔ اس لئے اب کی ہولی کے موقع پر سسرال سے بلاوا آیا تو اس نے کوئی حیل حجت نہ کی، صوبے دار کی بڑے بڑے افسروں سے شناسائی تھی فوج افسروں کی حکام کتنی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ یہ اسے خوب معلوم تھا ممکن ہے صوبے دار صاحب کی سفارش سے نائب تحصیل داری میں نام زد ہو۔

ہو جاؤں، ادھر شیام مُرلاری سے بھی سال بھر سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ ایک فشانے سے دو شکار ہو رہے تھے۔ نیا ریشمی کوٹ بنوایا اور ہولی کے ایک دن پہلے سسرال جا پہنچا اپنے گرانڈیل سالوں کے سامنے بچہ سا معلوم ہوتا تھا۔

تیسرے پہر کا وقت تھا۔ گجندر سنگھ اپنے سالوں سے زمانہ طالب علمی کے کارنامے بیان کر رہا تھا۔ فٹ بال میں کس طرح ایک قامت گورے کو ٹنگنی دی۔ ہاکی میچ میں کس طرح تنہا گول کر لیا۔ کہ صوبے دار صاحب دیو کی طرح آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور بڑے لڑکے سے بولے" ارے سنو! تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ بابو جی شہر سے آئے ہیں۔ انہیں لے جا کر ذرا سیر کرا لاؤ۔ کچھ شکار وکار کھلاؤ۔ یہاں ٹھیٹھر ویٹھر تو ہے نہیں ان کا جی گھبراتا ہو گا۔ وقت بھی اچھا ہے، شام تک لوٹ آؤ گے۔"

شکار کا نام سنتے ہی گجندر سنگھ کی نانی مر گئی۔ بے چارے نے عمر بھر کبھی شکار نہ کھیلا تھا یہ دیہاتی اجڈ لونڈے اُسے نہ جانے کہاں کہاں دوڑائیں گے کہیں کسی جانور کا سامنا ہو گیا تو کہیں کے نہ رہے، کون جانے ہرن ہی چوٹ کر بیٹھے ہرن بھی راہ فرار نہ پا کر کبھی کبھی پلٹ پڑتا ہے کہیں بھیڑیا نکل آئے تو کام ہی تمام کر دے۔ بولے میرا تو اس وقت شکار کھیلنے کو جی نہیں چاہتا، بہت تھک گیا ہوں۔"

صوبے دار صاحب نے فرمایا "تم گھوڑے پر سوار ہو لینا۔ یہی تو دیہات کی بہار ہے چنوں جا کر بندوق لا۔ میں بھی چلوں گا۔ کئی دن سے باہر نہیں نکلا۔ میرا رائفل بھی لیتے آنا۔"

چنّو اور منّو خوش خوش بندوق لینے دوڑے ادھر گجندر کی جان سوکھنے لگی پچھتا رہا تھا کہ ناحق ان لونڈوں کے ساتھ گپ شپ کرنے لگا۔ جانتا کہ یہ بلا سر پر آنے والی ہے تو آتے ہی خود بیمار بن کر چارپائی پر پڑ رہتا اب تو کوئی حیلہ بھی نہیں کر سکتا۔ سب سے بڑی مصیبت گھوڑے کی سواری تھی۔ دیہاتی گھوڑے یوں ہی تھان پر بندھے بندھے ٹرّے ہو جاتے ہیں اور آسن کا کچا سوار دیکھ کر تو وہ اور بھی شوخیاں کرنے لگتے ہیں۔ کہیں الف ہو گیا

یا مجھے لے کر کسی نالے کی طرف بے تحاشا بھاگا، تو خیر نہیں۔

دونوں سامنے بندوقیں لے کر آپہنچے۔ گھوڑا بھی کھینچ کر آ گیا۔ صوبے دار صاحب شکاری کپڑے پہن کر تیار ہو گئے۔ اب گجندر کے لئے کوئی حیلہ نہ رہا۔ اس نے گھوڑے کی طرف کنکھیوں سے دیکھا بار بار زمین پر پیر ٹیکتا تھا۔ ہنہناتا تھا۔ اٹھی ہوئی گردن لال آنکھیں کنوتیاں کھڑی، بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ڈر لگتا تھا گجندر دل میں سہم اٹھا مگر بہادری دکھانے کے لئے گھوڑے کے پاس جا کر اس کی گردن پر اس طرح تھپکیاں دیں گویا پکا شہسوار ہے اور بولا جانور تو جاندار ہے مگر مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آپ لوگ تو پیدل چلیں اور میں گھوڑے پر بیٹھوں۔ ایسا کچھ بہت تھکا نہیں ہوں۔ میں بھی پیدل ہی چلوں گا اس کی مجھے مشق ہے۔"

صوبیدار نے کہا "بیٹا! جنگل دور ہے تھک جاؤ گے بڑا سیدھا جانور ہے بچہ بھی سوار ہو سکتا ہے"

گجندر نے کہا "جی نہیں مجھے بھی یوں ہی چلنے دیجئے۔ گپ شپ کرتے ہوئے چلے چلیں گے۔ سواری میں وہ لطف کہاں۔ آپ بزرگ ہیں۔ سوار ہو جائیں۔"

چاروں آدمی پیادہ چلے۔ لوگوں پر گجندر کے اس انکسار کا بہت اچھا اثر ہوا۔ "تہذیب اور اخلاق تو شہر والے ہی جانتے ہیں۔ اس پر علم کی برکت۔"

تھوڑی دیر کے بعد پتھریلا راستہ ملا۔ ایک طرف ہرا بھرا میدان دوسری طرف پہاڑ کا سلسلہ دونوں ہی طرف ببول، کریل، کروندے اور ڈھاک کے جنگل تھے صوبیدار صاحب اپنی فوجی زندگی کے پامال قصے کہتے چلے آتے تھے۔ گجندر تیز چلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بار بار پچھڑ جاتا تھا۔ اور اسے دو چار قدم دوڑ کر ان کے برابر ہونا پڑتا تھا پسینے میں تر، ہانپتا ہوا، اپنی حماقت پر پچھتاتا چلا جاتا تھا۔ یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی، ابھی سے یہ حال ہے شکار نظر آ گیا۔ تو نہ معلوم کیا آفت آئے گی میل دو میل کی دوڑ تو ان کیلئے

معمولی بات ہے، مگر یہاں تو کچھ مزہ ہی نکل جائے گا۔ شاید بے ہوش ہو کر گر پڑوں پیر ابھی سے من من بھر کے ہو رہے ہیں۔"

یکایک راستے میں سیمل کا ایک درخت نظر آیا۔ نیچے لال لال پھول بچھے ہوئے تھے اوپر سارا درخت، گلنار ہو رہا تھا۔ گجندر وہیں کھڑا ہو گیا۔ اور اس لالہ زار کو مستانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

چنو نے پوچھا "کیا ہے جیجا جی رک کیسے گئے؟"

گجندر نے عاشقانہ وارفتگی سے کہا "کچھ نہیں اس درخت کا حسن دل آویز دیکھ کر دل باغ باغ ہوا جا رہا ہے۔ آہا! کیا بہار ہے۔ کیا مذاق ہے کیا شان ہے گویا جنگل کی دیوی نے شفق کو شرمندہ کرنے کیلئے زعفرانی جوڑا زیب تن کیا ہو۔ یا رشیوں کی پاک روحیں سفر جاودانی میں یہاں آرام کر رہی ہوں، یا قدرت کا نغمہ شیریں شکل پذیر ہو کر دنیا پر موہنی منتر ڈال رہا ہو۔ آپ لوگ شکار کھیلنے چلئے مجھے اس آب حیات سے شادکام ہونے دیجئے۔"

دونوں نوجوان فرط حیرت سے گجندر کا منہ تاکنے لگے۔ ان کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ یہ حضرت کہہ کیا رہے ہیں۔ دیہات کے رہنے والے جنگلوں میں گھومنے والے سیمل ان کے لئے کوئی انوکھی چیز نہ تھی۔ اسے روز دیکھتے تھے۔ کتنی بار اس پر چڑھے تھے۔ اس کے نیچے دوڑے تھے۔ اس کے پھولوں کی گیند بنا کر کھیلتے تھے۔ ان پر یہ مستی کبھی نہ طاری ہوئی تھی۔ حسن پرستی وہ کیا جانیں۔

صوبے دار صاحب آگے بڑھ گئے تھے، ان لوگوں کو ٹھہرا ہوا دیکھ کر لوٹ آئے اور بولے "کیوں بیٹا ٹھہر کیوں گئے؟"

گجندر نے دست بستہ گذارش کی "آپ لوگ مجھے معاف فرمائیں میں شکار کھیلنے نہ جا سکوں گا۔ اس گلزار کو دیکھ کر مجھ پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی ہے میری روح

نغمۂ جنت کا مزہ لے رہی ہے۔ آہا یہ میرا ہی دل ہے جو پھول بن کر چمک رہا ہے مجھ میں بھی وہی سُرخی ہے وہی حسن ہے، وہی لطافت ہے۔ میرے دل پر صرف گیان کا پردہ پڑا ہُوا ہے کس کا شکار کریں ؟ جنگل کے معصوم جانوروں کا ؟ ہمیں تو جانور ہیں ۔ ہمیں تو پرندہیں۔ یہ ہمارے ہی تصورات کا آئینہ ہے جس میں عالم اجسام کی جھلک نظر آرہی ہے کیا اپنا ہی خون کریں۔ نہیں آپ لوگ شکار کھیلنے جائیں مجھے اس مستی و بہار میں محو ہونے دیں بلکہ میں تو عرض کروں گا۔ کہ آپ بھی شکار سے باز آئیں زندگی مسرت کا خزانہ ہے اس کا خون نہ کیجئے نظارہ ہائے قدرت سے چشم باطن کو مسرور کیجئے قدرت کے ایک ایک ذرے میں ایک ایک پھول میں ایک ایک ہستی میں مسرت کی شعائیں چمک رہی ہیں خونریزی سے مسرت کے اس لازوال چشمے کو ناپاک نہ کیجئے۔

اس تصوف آمیز تقریر نے سبھی کو متاثر کر دیا صوبے دار صاحب نے چنّو سے آہستہ سے کہا "عمر تو کچھ نہیں ہے لیکن کتنا گیان بھرا ہوا ہے" چنّو نے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا "علم سے روح بیدار ہو جاتی ہے، شکار کھیلنا ہے برا"

صوبے دار نے عارفانہ انداز سے کہا "ہاں برا تو ہے۔ چلو لوٹ چلیں جب ہر ایک چیز میں اسی کا جلوہ ہے تو شکاری کون اور شکار کون، اب کبھی شکار نہ کھیلوں گا"

پھر وہ گجندر سے بولے "بھیّا تمہارے اپدیش نے ہماری آنکھیں کھول دیں قسم کھاتے ہیں اب کبھی شکار نہ کھیلیں گے"

گجندر پر مستانہ کیفیت طاری تھی، اس سرور کے عالم میں بولے " ایشور کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے آپ لوگوں کو یہ توفیق عطا کی مجھے خود شکار کا کتنا شوق تھا عرض نہیں کر سکتا۔ ان گنت جنگلی سور، ہرن، تیندوے، نیل گائیں، مگر ہلاک کئے ہوں گے ایک بار چیتے کو مار ڈالا تھا۔ مگر آج مئے عرفان کا وہ نشہ ہوا کہ ماسوا کا کہیں وجود ہی نہیں رہا"

(۲)

ہولی جلنے کی مہورت نو بجے رات کو تھی۔ آٹھ ہی بجے سے گاؤں کے عورت مرد بوڑھے بچے گاتے بجاتے، کبیریں اڑاتے ہولی کی طرف چلے صوبے دار صاحب بھی بال بچوں کو لئے ہوئے مہمان کے ساتھ ہولی جلانے چلے۔

گجندر نے ابھی تک کسی بڑے گاؤں کی ہولی نہ دیکھی تھی۔ اس کے شہر میں تو ہر محلے میں لکڑی کے موٹے موٹے دو چار کندے جلا دیئے جاتے تھے جو کئی کئی دن جلتے رہتے تھے یہاں کی ہولی ایک وسیع میدان میں کسی کوہسار کی بلند چوٹی کی طرح آسمان سے باتیں کر رہی تھی جوں ہی پنڈت جی نے منتر پڑھ کر نئے سال کا خیر مقدم کیا آتشبازی چھوٹنے لگی چھوٹے بڑے سبھی پٹاخے، چھچھوندریں، ہوائیاں چھوڑنے لگے۔ گجندر کے سر پر سے کئی چھچھوندریں سنسناتی ہوئی نکل گئیں۔ ہر ایک پٹاخے پر بے چارہ دو دو چار چار قدم پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ اور دل میں ان اجڈ دیہاتیوں کو بددعائیں دیتا تھا۔ یہ کیا بیہودگی ہے۔ بارود کہیں کپڑے میں لگ جائے کوئی اور واردات ہو جائے تو ساری شرارت نکل جائے روز ہی تو ایسی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں مگر ان دہقانوں کو کیا خبر۔ یہاں تو دادا نے جو کچھ کیا وہی کریں گے چاہے اس میں کچھ تک ہو یا نہ ہو۔

دفعتاً نزدیک سے ایک بم کے گولے کے چھوٹنے کی فلک شگاف آواز آئی گویا بجلی کڑکی ہو گجندر سنگھ چونک کر کوئی دو فٹ اونچے اچھل گئے۔ اپنی زندگی میں وہ شاید کبھی اتنا نہ کودے تھے۔ دل دھک دھک کرنے لگا گویا توپ کے نشانے کے سامنے کھڑے ہوں۔ فوراً دونوں کان انگلیوں سے بند کر لئے۔ اور دس قدم اور پیچھے ہٹ گئے"

چنوں نے کہا "جیجا جی! آپ کیا چھوڑیں گے؟ کیا لاؤں؟"

منو بولا "ہوائیاں چھوڑیئے جیجا جی۔ بہت اچھی ہیں۔ آسمان میں نکل جاتی ہیں"

چنو۔ "ہوائیاں بچے چھوڑتے ہیں۔ کہ یہ چھوڑیں گے، آپ بم کا گولہ چھوڑیں بھائی صاحب

گجندر تو مجھے ان چیزوں کا شوق نہیں، مجھے تو تعجب ہو رہا ہے کہ بوڑھے بھی کتنی دلچسپی سے آتش بازی چھوڑ رہے ہیں۔"

منّو" دو چار ماہتابیاں تو ضرور چھوڑ دیئے۔"

گجندر کو ماہتابیاں بے ضرر معلوم ہوئیں۔ ان کی سُرخ، سبز، سنہری چمک کے سامنے ان کے گورے چہرے اور خوبصورت بالوں اور ریشمی کرتے کی دلفریبی کتنی بڑھ جائے گی کوئی خطرے کی بات بھی نہیں، مزے سے ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں گل ٹپ ٹپ نیچے گر رہا ہے اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ ان کا فلسفی دماغ بھی خود نمائی کے شوق سے خالی نہ تھا۔ فوراً ماہتابی لے لی۔ گو ایک شان بے نیازی کے ساتھ مگر پہلی ہی ماہتابی چھوڑنا شروع کی تھی کہ دوسرا بم کوئی ہتھوڑا سا گر پڑا۔ ماہتابی ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی اور سینے میں اختلاج ہونے لگا۔ ابھی دھماکے سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ دوسرا دھماکا ہوا جیسے آسمان پھٹ پڑا ہو، سارا فضا منتشر ہو گئی۔ چڑیاں گھونسلوں سے نکل نکل کر شور مچاتی ہوئی بھاگیں، جانور رسیاں تڑا تڑا کر بھاگے اور گجندر بھی سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے سر پیٹ اور سیدھے گھر پر آ کر دم لیا۔ چینوں اور منو دونوں گھبرا گئے۔ صوبیدار صاحب کے ہوش اڑ گئے تینوں آدمی بگٹٹ دوڑے ہوئے گجندر کے پیچھے چلے دوسروں نے جو انہیں بھاگتے دیکھا تو سمجھے کو شاید واردات ہو گئی تو سب کے سب ان کے پیچھے ہو لئے گاؤں میں ایک معزز مہمان کا آنا معمولی بات نہ تھی سب ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے مہمان کو کیا گیا ماجرا کیا ہے۔ کیوں یہ لوگ دوڑے جا رہے ہیں؟ ایک لمحے میں سینکڑوں آدمی صوبیدار صاحب کے دروازے پر پرسش حال کیلئے جمع ہو گئے گاؤں کا داماد کم رو ہونے پر بھی قابل زیارت اور بدحال ہوتے ہوئے بھی منظور نظر ہوتا ہے۔

صوبیدار نے سہمی ہوئی آواز سے پوچھا "تم وہاں سے کیوں بھاگ آئے بھیا؟"

گجندر کو کیا معلوم تھا کہ اس کے چلے آنے سے یہ تہلکہ مچ جائے گا مگر اس کے حاضر دماغ

نے جواب سوچ لیا تھا اور جواب بھی ایسا کہ گاؤں والوں پر اس کی ضمارسی کا سکہ بٹھا دے۔
بولا "کوئی خاص بات نہ تھی، دل میں کچھ ایسا ہی آیا کہ یہاں سے بھاگ جانا
چاہیئے نہیں کوئی بات ضرور تھی۔"

"آپ پوچھ کر کیا کریں گے، میں اسے ظاہر کرکے آپکے جشن میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا۔"
"جب تک بتلا نہ دو گے بیٹا ہمیں تسلی نہ ہوگی۔ سارا گاؤں گھبرایا ہوا ہے۔"
گجندر نے پھر صوفیوں کا سا چہرہ بنایا، آنکھیں بند کریں، جماہیاں لیں اور آسمان
کی طرف دیکھ کر بولے۔

بات یہ ہے کہ جوں ہی میں نے ماہتابی ہاتھ میں لی، مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی
نے اسے میرے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیا۔ میں نے کبھی آتشبازیاں نہیں چھوڑیں ہمیشہ
اس کی مذمت کرتا رہا آج میں نے وہ فعل کیا جو میرے ضمیر کے خلاف تھا بس غضب
ہی تو ہو گیا۔ مجھے ایسا معلوم جیسے میری روح مجھ پر نفرین کر رہی ہے شرم سے
میری گردن خم ہو گئی اور میں اسی عالم میں وہاں سے بھاگا اب آپ لوگ مجھے معاف
فرمائیں۔ میں آپ کے جشن میں شریک نہ ہو سکوں گا۔

صوبیدار صاحب نے اس انداز سے گردن ہلائی گویا ان کے سوا وہاں کوئی اس
تصوف کا راز نہیں سمجھ سکتا۔ ان کی آنکھیں کہہ رہی تھیں "آتی ہیں تم لوگوں کی سمجھ میں
باتیں۔ تم بھلا کیا سمجھو گے۔ ہم بھی کچھ کچھ ہی سمجھتے ہیں۔"

ہولی تو وقت معینہ پر جلائی گئی۔ مگر آتشبازیاں دریا میں ڈال دی گئیں۔ شریر
لڑکوں نے کچھ اس لئے چھپا کر رکھ لیں کہ گجندر چلے جائیں گے تو مزے سے چھوڑیں گے
شیامو ... ... نے تخلیئے میں کہا "تم تو وہاں سے خوب بھاگے
... ... کر بولے "بھاگتا کیوں، بھاگنے کی تو کوئی بات نہ تھی۔"

میری تو جان نکل گئی کہ معلوم نہیں کیا ہو گیا۔ تمہارے ہی ساتھ میں بھی دوڑی آئی تو کہہ ہی

پھر آتش بازی پانی میں پھینک دی گئی۔"

یہ تو روپے کو آگ میں پھونکنا ہے۔"

"ہولی میں بھی نہ چھوڑیں تو کب چھوڑیں تیوہار اسی لئے تو آتے ہیں۔"

"تیوہار میں گاؤ بجاؤ۔ اچھی اچھی چیزیں پکاؤ کھاؤ، خیرات کرو عزیزوں سے ملو سب سے محبت سے پیش آؤ۔ بارود اڑانے کا نام تیوہار نہیں ہے۔"

رات کے بارہ بج گئے تھے۔ کسی نے دروازے پر دھکا مارا۔

گجندر نے چونک کر پوچھا "یہ دھکا کس نے مارا؟"

"شیاما نے لاپروائی سے کہا "بلی ولی ہوگی۔"

کئی آدمیوں کے کھٹ پٹ کرنے کی آوازیں آئیں۔ پھر کواڑ پر دھکا پڑا گجندر کو لرزہ آگیا۔ لالٹین لے کر دروازے سے جھانکا تو چہرے کا رنگ فق ہو گیا چار پانچ آدمی کرتے پہنے پگڑیاں باندھے۔ داڑھیاں لگائے، شانے پر بندوقیں رکھے کواڑ کو توڑ ڈالنے کی سرگرم کوشش میں مصروف تھے۔ گجندر کان لگا کر ان کی باتیں سننے لگا

"دونوں سو گئے ہیں کواڑ توڑ ڈالو۔ مال الماری میں ہے۔"

"اور اگر دونوں جاگ گئے؟"

"عورت کیا کر سکتی ہے مرد کو چارپائی سے باندھ دیں گے۔"

"سنتے ہیں گجندر سنگھ کوئی بڑا پہلوان ہے۔"

"کیسا ہی پہلوان ہو۔ چار ہتھیار بند آدمیوں کے سامنے کیا کر سکتا ہے۔"

گجندر کے کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ شیام دلاری سے بولے "یہ ڈاکو معلوم ہوتے ہیں۔ اب کیا ہوگا۔ میرے تو ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔"

"چور چور پکارو۔ جاگ ہو جائے گی۔ آپ بھاگ جائیں گے نہیں تو پہلا تو ہولو، چور کو دیا آدھا"

دیکھنا کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ ان سبھوں کے پاس بندوقیں ہیں۔ گاؤں میں اتنا سناٹا کیوں ہے؟ گھر کے آدمی کیا ہو گئے؟"

"بھیا اور منّو دادا کھلیان میں سونے گئے ہیں۔ کاکا دروازے پر پڑے ہوں گے ان کے کانوں پر توپ چھوٹے تب بھی نہ جاگیں گے۔"

اس کمرے میں کوئی دوسری کھڑکی بھی تو نہیں ہے کہ باہر آواز پہنچے مکان ہیں یا قید خانے؟"

"میں تو چلاتی ہوں۔"

"ارے نہیں بھائی، کیوں جان دینے پر آمادہ ہو۔ میں تو سوچتا ہوں ہم دونوں چپ سادھ کر لیٹ جائیں اور آنکھیں بند کر لیں بدمعاشوں کو جو کچھ لے جانا ہو لے جائیں جان تو بچے۔ دیکھو کواڑ ہل رہے ہیں۔ کہیں ٹوٹ نہ جائیں، یا ایشور کہاں جاؤں اس مصیبت میں تمہارا ہی بھروسہ ہے کیا جانتا تھا کہ یہ آفت آنے والی ہے نہیں آتا ہی کیوں۔ بس چپ ہی سادھ لو اگر ہلائیں دلائیں تو بھی سانس مت لینا۔"

"مجھ سے چپ سادھ کر پڑا نہ رہا جائے گا۔"

"زیور اتار کر رکھ کیوں نہیں دیتیں۔ شیطان زیور ہی تو لیں گے۔"

"زیور تو نہ اتاروں گی چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔"

"کیوں جان دینے پر تلی ہوئی ہو؟"

"خوشی سے تو زیور نہ اتاروں گی" زبردستی کی اور بات ہے"

"خاموش سنو سب کیا باتیں کر رہے ہیں۔"

باہر سے آواز آئی "کواڑ کھول دو، نہیں تو ہم کواڑ توڑ کر اندر آجائیں گے۔"

گجندر نے شیام دلاری کی منت کی "میری بات مانو شیاما، زیور اتار کر رکھ دو میں وعدہ کرتا ہوں بہت جلد نئے زیور بنوا دوں گا۔"

باہر سے آواز آئی "کیوں شامتیں آئی ہیں بس ایک منٹ کی مہلت اور دیتے ہیں اگر کواڑ نہ کھولے تو خیریت نہیں"

گجندر نے شیام دلاری سے پوچھا "کھول دوں؟"

"ہاں بلا لو، تمہارے بھائی بند ہیں نہ۔ وہ دروازے کو باہر سے دھکیلتے ہیں تم اندر سے باہر کو ٹھیلو۔"

"اور یہ دروازہ میرے اوپر گر پڑے؟ پانچ پانچ جوان ہیں۔"

"وہ کونے میں لاٹھی رکھی ہے، لے کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو؟"

"چنو دادا ہوتے تو پانچوں کو گرا دیتے۔"

"میں لٹھ باز نہیں ہوں۔"

"تو آؤ منہ ڈھانپ کر لیٹ جاؤ۔ میں ان سب کو سمجھ لوں گی۔"

"تمہیں تو عورت سمجھ کر چھوڑ دیں گے۔ ماتھے میرے جائے گی۔"

"میں چلاتی ہوں۔"

"تم میری جان لے کر چھوڑو گی؟"

"مجھ سے تو اب صبر نہیں ہوتا۔ میں کواڑ کھولے دیتی ہوں۔"

اس نے دروازہ کھول دیا، پانچوں چور کمرے میں بھڑ بھڑا کر گھس آئے۔ ایک نے اپنے ساتھی سے کہا "میں اس لونڈے کو پکڑے ہوئے ہوں تم عورت کے سارے گہنے اتار لو"

دوسرا بولا "اس نے تو آنکھیں بند کر لیں۔ ارے تم آنکھیں کیوں نہیں کھولتے جی؟"

تیسرا "یار عورت تو حسین ہے۔"

چوتھا "سنتی ہے او مہر با" زیور دے دے نہیں تو گلا گھونٹ دوں گا۔"
گجندر دل میں بگڑ رہے تھے۔ کہ یہ چڑیل زیور کیوں نہیں اتار دیتی۔
شیام دلاری نے کہا "گلا گھونٹ دو چاہے گولی مار دو۔ زیور نہ اتاروں گی۔"
پہلا "اسے اٹھائے چلو یوں نہ مانے گی۔ مندر خالی ہے۔"
دوسرا "بس یہی مناسب ہے کیوں ری چھوکری ہمارے ساتھ چلے گی؟"
شیام دلاری "تمہارے منہ میں کالکھ لگادوں گی۔"
تیسرا "نہ چلے گی تو اس لونڈے کو لے جاکر بیچ ڈالیں گی۔"
شیام "ایک ایک کے ہتھکڑی ڈلوادوں گی۔"
چوتھا "کیوں اتنا بگڑتی ہے مہارانی۔ ذرا ہمارے ساتھ چلی کیوں نہیں چلتی کیا ہم اس لونڈے سے بھی گئے گذرے ہیں۔ کیا رہ جائے گا۔ اگر ہم تجھے زبردستی اٹھا کر لے جائیں گے یوں سیدھی طرح نہیں مانتی ہو تم جیسی نا ہر و پر ظلم کرنے کو جی نہیں چاہتا۔"
پانچواں "یا تو سارے زیور اتار کر دے یا ہمارے ساتھ چل۔"
شیام دلاری "کاکا آجائیں گے تو ایک ایک کی کھال ادھیڑ ڈالیں گے۔"
پہلا "یہ یوں نہ مانے گی۔ اس لونڈے کو اٹھائے لے چلو۔ تب آپ ہی پیروں پڑے گی۔"
دو آدمیوں نے ایک چادر سے گجندر کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ گجندر بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ سانس تک نہ آتی تھی دل میں جھنجھلا رہے تھے۔ ہائے کتنی بے وفا عورت ہے۔ زیور نہ دے گی چاہے یہ سب مجھے جان سے مار ڈالیں اچھا زندہ بچوں گا تو دیکھوں گا۔ بات تک تو پوچھوں نہیں۔"

جب ڈاکوؤں نے گجندر کو اٹھا لیا اور لے کر آنگن میں جا پہنچے تو شیام دلاری دروازے پر کھڑی ہو کر بولی "انہیں چھوڑ دو تو میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں"

پہلا "پہلے ہی کیوں نہ راضی ہو گئی چلے گی نہ؟"

شیام دلاری "چلوں گی کہتی تو ہوں"

تیسرا "اچھا تو چل۔ ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں"

دونوں چوروں نے گجندر کو لا کر چارپائی پر لٹا دیا اور شیام دلاری کو لے کر چل دئے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ گجندر نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں۔ کوئی نظر نہ آیا۔ اٹھ کر دروازے سے جھانکا۔ صحن میں کوئی نہ تھا۔ تیر کی طرح نکل کر صدر دروازے پر آئے لیکن باہر نکلنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ چاہا کہ صوبے دار صاحب کو جگائیں مگر منہ سے آواز نہ نکلی۔

اسی وقت قہقہے کی آواز آئی۔ پانچ عورتیں چہل کرتی ہوئی شیام دلاری کے کمرے میں آئیں۔ گجندر کا وہاں پتہ نہ تھا۔

ایک "کہاں چلے گئے؟"

شیام دلاری "باہر چلے گئے ہوں گے"

دوسری "بہت شرمندہ ہوں گے"

تیسری "مارے خوف کے ان کی سانس بند ہو گئی تھی"

گجندر نے بول چال سنی تو جان میں جان آئی۔ سمجھے شاید گھر میں جاگ ہو گئی۔ لپک کر کمرے کے دروازے پر آئے اور بولے:۔

"ذرا دیکھئے شاما کہاں ہے۔ میری تو نیند نہیں کھلی بھلا کسی کو دوڑائیے"

یکایک انہیں عورتوں کے بیچ میں شیاما کو کھڑے ہنستے دیکھ کر حیرت میں آ گئے پانچوں سہیلیوں نے ہنسنا اور تالیاں پیٹنا شروع کر دیں۔

ایک نے کہا: "واہ جیجا جی! دیکھ لی آپ کی بہادری"

شیام دلاری: "تم سب کی سب شیطان ہو۔"

تیسری: "بیوی تو چوروں کے ساتھ چلی گئی اور آپ نے سانس تک نہ لی"

گجندر سمجھ گئے بڑا دھوکہ کھایا۔ مگر زبان کے شیر تھے۔ فوراً بگڑی بات بنا لی۔ بولے: "تو کیا تمہارا سوانگ بگاڑ دیتا۔ میں بھی اس تماشے کا لطف اٹھا رہا تھا اگر سبھوں کو پکڑ کر مونچھیں اکھاڑ لیتا تو تم کتنی شرمندہ ہوتیں۔ میں اتنا بے رحم نہیں ہوں۔"

سب کی سب گجندر کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

[redacted]

انصاف

(۱)

سیٹھ نانک چند نے آج پھر وہی لفافہ پایا اور وہی تحریر دیکھی، تو ان کا چہرہ
گیا۔ خط کھولتے ہی ہاتھ اور دل دونوں کانپنے لگے۔ خط میں کیا ہے، یہ انہوں نے قیاس
سے معلوم کر لیا تھا۔ اسی لفافے اور اسی تحریر کے کئی خطوط یکے بعد دیگرے انہیں مل چکے
تھے۔ اس خط کا بھی وہی مضمون ہوگا اس میں مطلق شبہ نہ تھا۔ وہ خط کانپتے ہوئے ہاتھوں
میں لئے ہوئے آسمان کی طرف تاکنے لگے گویا اس میں اپنا نوشتہ تقدیر پڑھنے کی
کوشش کر رہے ہوں وہ دل کے مضبوط آدمی تھے۔ مردوں سے بھی اپنی رقم وصول کر
لیتے تھے رحم یا رعایت یا دوسری کمزوریاں انہیں چھو بھی نہیں گئی تھیں۔ ورنہ مہاجن ہی
کیسے بنتے وہ بھرپور نمائشی کو شنیہ نارائن کی کتھا سنتے تھے پچھلے پندرہ سال میں اسی معمول میں
ایک ناغہ بھی نہ ہوا تھا۔ منگل یا کسی خاص دن مہابیر جی کو لڈو چڑھاتے تھے روزانہ جمنا
میں اشنان کرتے اور شیو جی کو جل چڑھاتے تھے مہینے میں دو بار برہمنوں کو بھوجن بھی کرا
تھے اور جب سے گھی کے کاروبار میں نفع کثیر ہونے لگا تھا۔ ایک دھرم شالہ بنوانے کی
فکر میں تھے زمین طے کر لی تھی اور کسی اچھے مہورت کے منتظر تھے۔ انہوں نے خوب حساب
کر کے دیکھ لیا تھا۔ کہ اس کار خیر میں ان کی جیب سے ایک کوڑی بھی نہ خرچ ہوگی زمین ایک بیوہ کی
تھی جس پر انہوں نے پہلے اپنی گائے بھینسوں کیلئے ایک مختصر سا چھپر ڈال لیا تھا اور جب
بیوہ ایک نابالغ لڑکا چھوڑ کر مر گئی۔ تو وہ قطعہ زمین اسکے قبضے میں آ گئی۔ لڑکا اپنے ننھیال
میں تھا اور ننھیال والوں کو توفیق نہ تھی۔ نہ اتنی فرصت کہ سیٹھ جی سے مقدمہ بازی کرتے ہمار

تھے۔ اور مزدوری کر کے سود ادا کرنا چاہتے تھے۔ اینٹ والا بھی ان سے قرض لے گیا تھا اور اصل کی دو چند رقم ادا کر چکنے کے بعد بھی اس پر انکے ہزاروں تے تھے۔ اسلئے یہ مرحلہ بھی طے تھا صرف سیمنٹ اور چونے والے بیوپاری کے نے کا انتظار تھا۔ وہ دس بیس ہزار کی دستاویز لکھالے، بس دھرم شالہ تیار ہے ہر ایک کامیاب آدمی کی طرح دیوتاؤں پر انکا پکا اعتقاد تھا جن کی دعا اور برکت سے انہیں کسی کاروبار میں گھاٹا نہیں ہوا۔ مگر جب سے یہ خطوط ملنے لگے تھے۔ انہیں ایک وہم آمیز تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ رات کو ان کے دروازے پر محض ایک چوکیدار رہتا تھا اگر دس پانچ مسلح آدمی آجائیں تو وہ اکیلا کیا کر سکتا ہے۔ شاید انہیں دیکھ کر بھاگ کھڑا ہو ہمسایوں میں ایسا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ جو خطرے کے وقت کام آئے حالانکہ سبھی انکے اسامی تھے یا رہ چکے تھے۔ لیکن یہ فرقہ احسان فراموش کا ہے۔ جس کے دروازے پر ضرورت کے وقت ناک اور پیشانی رگڑتا ہے۔ اسی کے درپے آزاد ہو جاتا ہے احسان ماننا تو دور رہا الٹا اور بدخواہ ہو جاتا ہے انہوں نے سوچا اگر رات کو دس پانچ آدمی آجائیں تو واقعی بڑی مشکل کا سامنا ہو بے شک دروازہ مضبوط ہے اور اسے توڑنا آسان نہیں۔ جوڑیاں بھی ہر من ساخت کی ہیں جن پر کوئی حربہ اثر ہی نہیں کر سکتا اور دیواریں اتنی اونچی ہیں کہ ان پر کوئی کیا کھا کے چڑھے گا۔ نقب تو امر محال ہے بیرونی دیوار خالص پتھر کی ہے ایک ایک پتھر دس دس من کا ہے،

اس خیال سے انہیں قدرے تشفی ہوئی اپنی رائفل نکال کر انہوں نے اس کا خوب معائنہ کیا موقع پڑنے پر اس سے بھی دس پانچ آدمیوں کو منٹوں میں بھون سکتے ہیں پھر بھی ان پر ایک دہشت سی طاری ہو گئی۔ کون جانے یہ چوکیدار بھی انہیں میں مل گیا ہو نمک حرام بھی تھوڑے سے لالچ سے آستین کے سانپ ہو سکتے ہیں۔

آخر کئی منٹ کے ذہنی انتشار کے بعد انہوں نے خط کھولا اور ان کا چہرہ

زرد ہو گیا آنکھیں پھیل گئیں۔ سانس تیز چلنے لگی۔ فوراً دروازہ بند کر دیا۔ اور خط لئے اندر آ کر کیسر سے بولے:۔

"دیکھتی ہو آج پھر دہی خط آیا۔ آج تو تاریخ بھی مقرر کر دی پرسوں ان کا دھاوا ہو گا لکھا ہے اگر اپنی جان عزیز ہے تو پچیس ہزار روپے نقد رامیشو کے مندر کے سامنے درخت کے نیچے آٹھ بجے رات کو رکھ دو، یہ سب سمجھتے ہوں گے کہ ان گیدڑ بھبکیوں سے میں ڈر جاؤں گا۔"

کیسر پڑھنا نہ جانتی تھی۔ پھر بھی اس نے ان کے ہاتھ سے خط لے لیا اور اس پر ایک نظر ڈال کر بولی:۔

"میں تو سوچتی ہوں مہینے دو مہینے کے لئے یہاں سے کہیں چلے چلیں کاشی، پراگ ہردوار کہیں بھی تیرتھ کا تیرتھ ہو جائے گا۔ اور ذرا چین بھی نصیب ہو گا مجھے تو مارے خوف کے رات کو نیند نہیں آتی۔"

سیٹھ جی دلیرانہ انداز سے بولے:۔

"اس طرح ایک ایک دھمکی میں بھاگنے لگوں تو ہو چکا۔ یہ سب میرے ہی آسامی ہیں جن کی جائدادیں میں نے نیلام کرائی ہیں؟ رائفل کی ایک آواز جہاں کی سب ہو جائیں گے۔ پولیس کو بھی اطلاع کئے دیتا ہوں۔ میں نے ابھی تک پولیس کو خبر نہیں دی وہ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا دیں گے۔ اور دو چار ہزار روپے میری حفاظت کے بہانے سے وصول کر لیں گے اور حفاظت جیسی وہ کریں گے۔ وہ میں جانتا ہوں لیکن اب اطلاع دے دوں گا۔ دو چار سو روپیوں کا منہ نہ دیکھوں گا۔ اپنی طرف سے ہوشیار رہنا اچھا ہے

کیسر دوہرے بدن کی عورت تھی۔ تخل نے عمر جوبنت جھڑ میں بھی ہری ہری پتیوں سے ادا اس رہتا ہے اولاد کی ناکام آرزوؤں میں زندگی کا بڑا حصہ گزر چکنے کے بعد اب اس پر ہمیشہ ایک پر خوف مایوسی طاری رہتی تھی۔ معلوم نہیں کب آنکھیں بند ہو جائیں پھر یہ

زر و مال کس کے ہاتھ لگے گا۔ سب سے زیادہ خوف اسے بیماری کا تھا۔ اسے موت کا پیش خیمہ سمجھتی تھی اور اس جاں رہتی کو اس وقت تک اتارنا نہ چاہتی تھی جب تک ایک تار بھی باقی رہے۔ بال بچے ہوتے تو وہ خوشی سے مرتی، موت کو بلاتی، لیکن اب تو اس کی زندگی ہی اس کا خاتمہ تھا، پھر کیوں نہ وہ زیادہ سے زیادہ زندہ رہے۔ اب تک تو صرف بیماری کا خوف تھا اسے وہ دواؤں سے دور کرتی رہتی تھی۔ اور گویا الشور پر اپنی بے نیازی کا اظہار کرنے کے لیے ہمیشہ بنی ٹھنی رہتی تھی۔ لیکن جب سے یہ حملے آنے لگے تھے۔ اس کا خوف بھوت کی طرح اس کے سر پر سوار رہتا تھا۔ منت آمیز لہجے میں بولی:۔

"پولیس کی اطلاع کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ میری بات مانو، یہاں سے بھاگ چلو، میری بات کیوں نہیں مانتے کیا کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ چور کوئی گھر کو تو اٹھا نہ لے جائے گا۔"

سیٹھ جی نے کیسر کی بدحواسی پر ترس کھا کر کہا:۔

"تم ناحق اتنا ڈرتی ہو کیسر پولیس کو جب ضابطے کے ساتھ اطلاع دی جائے گی، تو اس کا فرض ہو جائے گا کہ ہماری حفاظت کرے، ہم پانچ ہزار سالانہ ٹیکس دیتے ہیں اگر پولیس نے سماعت نہ کی تو میں لاٹ صاحب سے کہوں گا۔ جب سرکار ہم سے ٹیکس لیتی ہے تو ہماری جان و مال کی حفاظت کرنا اس کا قانونی فرض ہے۔

سیاسیات کا یہ مسئلہ کیسر کی سمجھ میں کیا آتا۔ وہ تو کسی طرح اس خوف سے نجات پانا چاہتی تھی۔ جو اس کے دل میں سانپ کی طرح بیٹھا پھنکار رہا تھا۔ پولیس کا اسے اب تک جو تجربہ تھا اس سے اس کے دل کو تقویت نہ ہوئی تھی، بولی:۔

"پولیس والے واردات کے وقت تو نظر نہیں آتے۔ جب واردات ہو جاتی ہے تب البتہ شان جتانے کے لئے آپہنچتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ پولیس اور دھنش طوفان ختم ہو جانے کے بعد دکھائی دیتی ہے۔"

سیٹھ جی نے پولیس کی حمایت کی۔ "پولیس والے تو سرکار کا راج چلا رہے ہیں تم کیا جانو

کیسر نے بھی اس لہجے میں جواب دیا "اور میں کہتی ہوں کہ اگر واردات کل ہونے والی ہے تو پولیس کو خبر دینے سے آج ہو جائے گی۔ لوٹ کے مال میں ان کا ساجھا ہوتا ہے "جانتا ہوں۔ دیکھ چکا ہوں اور روز دیکھتا ہوں۔ لیکن کیا سرکار کو پانچ ہزار ٹیکس نہیں دیتے اس پر داروغہ جی کو برابر پارٹیاں چار وغیرہ پہنچاتا رہتا ہوں۔ ابھی جاڑوں میں سپرنٹنڈنٹ صاحب شکار کھیلنے آئے تھے۔ تو میں نے کتنی رسد پہنچائی تھی۔ ایک کنستر گھی اور ایک بوری شکر تو ایک ہی دن بھیجی تھی۔ یہ سب کھلانا پلانا کس دن کام آئے گا۔ ہاں یہ جانتا ہوں کہ آدمی کو بالکل دوسروں کے بھروسے نہ بیٹھا رہنا چاہیئے اپنی قوت بازو سے بھی کام لینا چاہیئے۔ میرا نشانہ تو بے خطا ہوتا ہی ہے آؤ میں تمہیں بھی بندوق چلانا سکھا دوں۔"

یہ ایک مضحکہ خیز تجویز تھی۔ کیسر ہنس کر بولی:۔

"ہاں اور کیا۔ اب آج میں بندوق چلانا سیکھوں گی۔ تم کو جب دیکھو ہنسی ہی سوجھتی ہے سیٹھ جی نے کہا "اس میں ہنسی کی کیا بات ہے، آجکل تو عورتیں فوج میں بھرتی ہو رہی ہیں سپاہیوں کی طرح عورتیں بھی قواعد کرتی ہیں۔ بندوق چلاتی ہیں۔"

کیسر نے اعتراض کیا "ولایت کی عورتیں چلاتی ہوں گی یہاں کی عورتیں کیا چلائینگی ہاں انگل بھر کی زبان چاہے چلالیں۔"

سیٹھ جی نے اس فاسد خیال کی تصحیح کی "اب یہاں کی عورتیں بھی چلاتی ہیں زمانہ بدل رہا ہے، ہم تم دونوں بندوق لے کر کھڑے ہو جائیں گے تو پچاس آدمی بھی اندر گھسنے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔ عورت کے ہاتھ میں بندوق توپ سے بھی زیادہ قاتل ہو جاتی ہے۔"

کیسر نے آخری فیصلہ کیا۔ "نا بابا میں چور کی آواز سنتے ہی چکر کھا کر گر پڑوں گی۔"

اس وقت چوکیدار نے آ کر کہا "داروغہ جی نے کئی کانسٹیبل بھیجے ہیں وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔"

(۲)

سیٹھ جی باہر آئے تو کانسٹیبلوں نے انہیں ادب سے سلام کیا اور ان میں سے ایک نے کہا "ہمیں داروغہ جی نے آپ کے پاس یہ دریافت کرنے کو بھیجا ہے کہ آپ کے پاس دھمکی کی چٹھیاں تو نہیں آ رہی ہیں آج کل باہر سے بہت سے ڈاکو اس علاقے میں آ گئے ہیں اور لوٹ مار کی کئی وارداتیں ہو چکی ہیں۔"

سیٹھ جی نے کانسٹیبلوں کو کرسیوں پر بٹھاتے ہوئے کہا: "داروغہ جی کو کیسے معلوم ہو گیا۔ میرے پاس تو ایسے کئی خط آ چکے ہیں۔ ایک آج بھی آیا ہے۔ میں خود داروغہ جی کو اطلاع دینے آ رہا تھا۔"

ہیڈ کانسٹیبل نے جواب دیا "حضور یہ نہ پوچھیں کہ داروغہ جی کو کیسے معلوم ہو گیا علاقے کے سب سے بڑے سیٹھ کے پاس ایسے خط آئیں اور پولیس کو خبر نہ ہو بھلا کوئی بات ہے حکام کی برابر تاکید ہوتی رہتی ہے کہ سیٹھ جی کو شکایت کا کوئی موقع نہ دیا جائے حضور پانچ ہزار روپے سالانہ انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ہمارے ہوتے مجال ہے کہ آپ کا بال بیکا ہو جائے آج داروغہ جی بڑی دیر تک اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہے۔ یہ ڈاکو اتنے دلیر اور تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ تھانے کے باہر ان سے مقابلہ کرنا دشوار ہے داروغہ جی نے سوچا تھا کہ گارد منگوا لیں گے مگر ڈاکو کہیں ایک جگہ تو رہتے نہیں۔ آج یہاں ہیں۔ تو کل یہاں سے دو سو کوس پر پہنچ گئے۔ گارد منگا کر ہی کیا کر سکتے تھے۔ رعایا کی تو فکر نہیں۔ کس کے پاس اتنا مال و اسباب رکھا ہے کہ ڈاکوؤں کا اندیشہ ہو اور اگر کسی کے پاس دو چار سو روپے نکل ہی آئے تو اس کے لئے پولیس ڈاکوؤں کے پیچھے اپنی جان ہتھیلی پر لئے نہ پھرے گی۔ ڈاکوؤں پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ وہ تو بے دریغ گولی چلاتے ہیں اور اکثر چھپ کر۔ ہمارے لئے تو ہزار بندشیں اور قیدیں ہیں کوئی بات بگڑ جائے تو الٹی اپنی جان آفت میں پھنس جائے۔ اس لئے داروغہ جی نے ہمیں یہ پیغام

دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ کہ آپ کو جس مال و اسباب کے بارے میں خطرہ ہو اسے لا کر تھانے کے خزانے میں جمع کر دیجئے آپ کو رسید دے دی جائے گی آپ کا قفل لگا دیا جائے گا۔ صندوقوں پر آپ اپنی مہر لگا دیجئے گا۔ جب یہ ہنگامہ ٹھنڈا ہو جائیگا تو آپ اپنی چیزیں واپس لے لیجئے گا۔ اس کے لئے سرکار آپ سے کسی قسم کی فیس نہیں لینا چاہتی۔ محض آپ کی حفاظت کے خیال سے یہ تجویز کی گئی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ گورنمنٹ کے دفتر سے اس قسم کا کوئی حکم آیا ہے کہ جو لوگ ایک ہزار یا اس سے زیادہ ٹیکس دیتے ہوں انکی حفاظت میں کوئی دقیقا اٹھا نہ رکھا جائے۔ ورنہ سخت جواب طلب کیا جائے گا۔ ورنہ آپ جانتے ہیں پولیس اتنا بڑا جوکھم کیوں سر لیتی اس سے آپ کو بھی بے فکری ہو جائے گی۔ اور ہم بھی ذمہ داری سے بچ جائیں گے۔ ورنہ خدانخواستہ کوئی واردات ہو جائے تو حضور کا جو نقصان ہو وہ تو ہو ہی، ہمارے اوپر بھی جواب دہی آ جائے۔ یہ ڈاکو اتنے ظالم ہیں۔ کہ محض مال و اسباب لے کر ہی جان نہیں چھوڑتے بلکہ خون بھی کر ڈالتے ہیں۔ اس لئے دارو غہ جی نے بہت زور دے کر کہا ہے کہ آپ آج ہی خطرے والی سب چیزیں لے کر تھانے میں تشریف لے آئیں۔ اور انہیں خزانے میں داخل کر کے رسید لے لیں۔ مزید اطمینان کے لئے آپ چاہیں تو اپنا ایک آدمی بھی وہاں تعینات کر سکتے ہیں۔ حضور کے پاس موٹر تو ہے ہی چار آدمی آپ کے ساتھ ہوں گے راستے میں کوئی خطرہ نہیں۔ تحقیقی خبر ملی ہے کہ ڈاکوؤں کا غول اس علاقے میں نکل آگیا ہے۔ بیس آدمی ہیں اور سب کے سب مسلح۔ دو سادھو بنے ہوئے ہیں۔ دو پنجابیوں کے بھیس میں ہیں۔ اور الوان اور دھسے بیچتے پھرتے ہیں۔ ان دونوں کے ساتھ دو بہنگی بردار بھی ہیں۔ دو ڈاکو بلوچیوں کے بھیس میں چھریاں اور تالے بیچتے ہیں اور کہاں تک گناؤں ہمارے یہاں سب کا پورا حلیہ آگیا ہے۔"

خطرے میں انسان کا دل کمزور ہو جاتا ہے اور وہ ایسی باتوں کا بھی یقین کر لیتا

ہے جو شاید ہوش و ہواس کی حالت میں وہ نہ کرتا۔ یہاں تو شبہے کا کوئی موقع ہی نہ تھا
ممکن ہے اس میں دارو غہ جی کی کوئی غرض شامل ہو اور وہ اس خدمت کا کچھ صلہ بھی
چاہتے ہوں اس کے لئے سیٹھ جی تیار تھے۔ کہ اگر دو سو روپے دینے پڑیں تو کوئی مضائقہ
نہیں ایسے واقعے تو زندگی میں آتے ہی رہتے ہیں۔ موجودہ حالت میں اس سے بہتر کوئی
انتظام خیال میں نہیں آتا تھا بلکہ اسے امداد غیب سمجھنا چاہیئے۔ انہیں کانسٹیبلوں کو
دے دلا کر ساری چیزیں نکلوا لیں گے۔ دوسروں کا کیا بھروسہ کہیں ڈاکوؤں سے مل جائیں
تو غضب ہی ہو جائے۔ راستے ہی میں گھیر لئے جائیں۔ بیس کے مقابلے میں چار آدمی کر ہی
کیا سکتے ہیں۔ اور کون جانے کہ ڈاکوؤں کے پاس کار نہ ہوگی۔

پھر بھی اس انداز سے بولے گویا دارو غہ جی نے ان پر کوئی خاص عنایت نہیں کی
یہ ان کا فرض ہی تھا۔ میں اس عنایت کے لئے دارو غہ جی کا تہ دل سے مشکور ہوں مگر
میں نے یہاں ایسا انتظام کر لیا تھا۔ کہ اگر ڈاکو یہاں آتے تو ان کے دانت کھٹے کر دیئے
جاتے، سارا محلہ مقابلے کے لئے تیار تھا۔ سبھی سے تو اپنا یارانہ ہے مگر دارو غہ جی کی
تجویز مجھے پسند ہے اس سے وہ بھی اپنی ذمہ داری سے بری ہو جاتے ہیں۔ اور میرے سر سے
بھی فکر کا بوجھ اتر جاتا ہے، جیسا آپ نے خود کہا۔ لیکن اندر سے چیزوں کو نکال نکال کر باہر
لانا اور کار میں رکھنا میرے بوتے کی بات نہیں آپ کی دعا سے آدمی تو کافی ہیں مگر کس کی
نیت کیسی ہے، یہ کون جانتا۔ ہے آپ لوگ کچھ مدد کریں تو کام آسان ہو جائے (مسکرا کر)
آپ کی محنت رائیگاں نہ جائے گی۔"

کیسر نے اس تجویز کو لبیک کہا۔ کانسٹیبلوں نے بھی اپنی خدمات خوشی سے پیش
کیں۔ ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔"

ہم حضور کے تابعدار ہیں۔ اس میں مدد کی کونسی بات ہے تنخواہ سرکار سے ضرور
پاتے ہیں۔ مگر دیتے تو حضور ہی ہیں۔ آپ صرف بتلاتے جایئے ہم لوگ آن کی آن میں سارا

مان نکال کر دکھ دیں گے۔"
کیسر نے خوش ہو کر کہا:۔
"بھگوان نے مدد کر دی، نہیں میں تو گھبرا رہی تھی۔ جان نکلی جاتی تھی۔"
سیٹھ جی نے ہمہ دانی کے انداز سے کہا: "انہی کو کہتے ہیں سرکار کا انتظام اسی تعاون کی بدولت سرکاری راج تھما ہوا ہے میں تو سوچتا ہوں کوئی قیمتی چیز یہاں چھوڑ دیتے تاکہ وہ آئیں تو اپنا سا منہ لے کر چلے جائیں۔"
کیسر نے جھک کر کہا: "کنجی ان سپاہیوں کے سامنے پھینک دیا کہ جو چیز ہو نکال لیجاؤ۔"
دو کانسٹیبلوں نے اندر جا کر صندوقچے اور پٹارے نکالنے شروع کئے ایک باہر مال کا رپلا دو رہا تھا۔ اور ہیڈ کانسٹیبل نوٹ بک پر ہر ایک چیز کا اندراج کر رہا تھا۔ زیورات، اشرفیاں، نوٹ، بیش قیمت کپڑے شال دوشالے، نقرئی ظروف سب کا رکھ دیئے گئے۔ معمولی فرنیچر، برتن، فرش فروش اور غلہ وغیرہ کے سوا گھر میں اور نہ بچا اور یہ چیزیں ڈاکوؤں کے لئے بے مصرف ہیں۔ کیسر کا سنگاردان سیٹھ جی لائے اور ہیڈ کانسٹیبل کو دے کر بولے:۔
"بھئی اسے بڑی حفاظت سے رکھنا۔"
ہیڈ کانسٹیبل نے سنگاردان لے کر کہا:۔
"میرے لئے ہر ایک تنکا اتنا ہی بیش قیمت ہے۔"
سیٹھ جی کے دل میں ایک شبہ پیدا ہوا۔ کہا:۔
"اس فہرست کی نقل مجھے بھی دے دیجئے گا۔"
ہیڈ کانسٹیبل نے کہا: "وہ آپ کو تھانے میں باضابطہ دی جائے گی۔"
"کیوں نہ یہیں سے دے دیجئے؟"
"یہاں لکھنے میں دیر ہو گی اور پھر جب تک داروغہ جی کے دستخط نہ ہوں اس

رسید کی وقعت ہی کیا؟ مگر آپ کے دل میں یہ شبہ کیوں پیدا ہوا؟

سیٹھ جی نے نادم ہوکر کہا۔

"شبہ نہیں تھا۔ میں نے سمجھا ایک رسید میرے پاس بھی ہوتی تو اچھا تھا"

ہیڈ کانسٹیبل نے بے رخی سے کہا" اگر آپ کے دل میں کسی قسم کا شبہ ہو تو آپ چیزیں اپنے گھر ہی میں رکھیں، ہم یہاں بھی آپ کی حفاظت کر سکتے ہیں، مگر ہاں اس حالت میں ذمہ داری آپ کی رہے گی۔"

سیٹھ جی اور نادم ہوئے "نہیں نہیں صاحب! شبہے کی بات نہیں تھی یوں ہی خیال آگیا۔ آپ کہتے ہیں۔ رسید تھانے میں مل جائے گی، میں بھی مانتا ہوں"

کار پر سارا سامان رکھ دیا گیا۔ محلے کے سینکڑوں آدمی تماشا دیکھ رہے تھے کار بہت بڑی تھی۔ مگر بالکل بھر گئی۔ پانچ آدمیوں کے لئے بڑی مشکل سے جگہ نکلی سیٹھ جی تو پیچھے والی جگہ پر بیٹھے باقی چاروں آدمی اگلی سیٹ پر سمٹ کر بیٹھ گئے۔

کیسر دروازے پر اس انداز سے کھڑی تھی گویا اس کی لڑکی رخصت ہو رہی ہو۔

(۳)

پانچ میل کا سفر تھا۔ قصبے سے باہر نکلتے ہی پہاڑوں کی خاموش اور اودی بلندیاں نظر آئیں۔ جن کے دامن میں ہرا بھرا سبزہ زار تھا اور اس میدان کے بیچ سے سرخ بجری کی سڑک سیندور بھری مانگ کی طرح نکل گئی تھی ایک میل جانے کے بعد ہیڈ کانسٹیبل نے سیٹھ جی سے پوچھا۔

"یہ کہاں تک صحیح ہے سیٹھ جی کہ پچیس سال پہلے آپ یہاں بالکل خالی ہاتھ آئے تھے"

نانک چند تفاخر کے انداز سے بولے

"بالکل صحیح ہے خاں صاحب! میرے پاس کل تین روپے تھے۔ لٹیا ڈور کندھے پر تھی اور چھڑی ہاتھ میں۔ بس بھگوان کا بھروسہ تھا۔ بالکل تقدیر کا کھیل ہے اور بھگوان

کی مرضی چاہیئے۔ آدمی کے بننے بگڑتے دیر نہیں لگتی۔"

میں نے سنا ہے آپ دوسرے سیٹھ ساہوکاروں کی طرح بخیل نہیں ہیں؟"

"میرا اصول ہے کہ اصلی بچت وہی ہے جو آرام سے زندگی بسر کرنے کے بعد بچ رہے جب بہت تھوڑی آمدنی تھی۔ تب بھی میرا یہی اصول تھا۔" آخر یہ دولت آپ کو کہاں سے ملی

"آڑھت، لین دین" رہن بیع سبھی کچھ تو ہے خاں صاحب! یہ سمجھ لیجئے کہ صبح سے آدھی رات تک سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملتی۔ صرف کھانا کھانے اندر جاتا ہوں۔

"آپ بجا فرماتے ہیں۔ محنت کے بغیر کسی کام میں کامیابی نہیں ہوتی۔ آپ کو اپنے ہاتھ سے بھی بہت سا کام کرنا پڑتا ہوگا۔"

"کچھ نہیں صاحب نوکر چاکر سب کچھ کر لیتے ہیں۔ میں تو بیٹھا نگرانی کرتا ہوں۔"

"آپ نے کئی لاکھ پیدا کئے ہوں گے؟"

"دو سوا دو لاکھ کی جائداد ہے خاں صاحب بیس ہزار کا تو مکان ہی کھڑا ہے آج بیچوں تو پچاس ہزار سے کم نہ ملے۔"

"لیکن اصل سرمایہ وہی آپ کے تین روپے تھے؟"

"سرمایہ تو آدمی کی ساکھ ہے خاں صاحب! آج چاہوں تو کہیں سے لاکھوں کا مال منگا سکتا ہوں۔"

"آپ کی زندگی واقعی ہمارے لئے نمونہ ہے۔"

"آپ لوگوں کی دعا سے اب تک تو آرام سے کٹ گئی ہے آگے کی بھگوان جانے"

"اب تو اور بھی آرام سے کٹے گی کیونکہ آپ کی ساکھ بہت بڑھ گئی ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے خاں صاحب اپنی ساکھ تو بنانے سے بنتی ہے۔"

"یہ مال و اسباب اور جائداد آپ کے لئے فضول ہے آپ اپنی ساکھ سے اپنا

روزگار کر سکتے ہیں۔"

بہت اچھی طرح خاں صاحب! یہ سب تو مایا جال ہے جس میں پھنس جانے کے بعد پھر نجات نہیں ملتی، مرکر ہی گلا چھوٹتا ہے اب دھرم شالہ بنوانے کا ارادہ ہے سامان کر لیا ہے کوئی اچھا صورت دیکھ کر ہاتھ لگا دیتا ہے ایک لڑکا بھی گود لینا چاہتا ہوں بس پھر بھگوان کا بھجن کروں گا"

"آپ کے کوئی اولاد ہوئی نہیں؟"

"تقدیر میں نہ تھی خاں صاحب اور کیا کہوں جن کے گھر میں بھونی بھانگ نہیں ان کے ہاں تو گھاس پھوس کی طرح بچے نکلتے آتے ہیں جنہیں بھگوان نے کھانے کو دیا ہے وہ اولاد کے لئے ترس ترس کر رہ جاتے ہیں"

"آپ بالکل ٹھیک فرماتے ہیں سیٹھ جی آپ کی باتیں بڑی پُر مغز ہوتی ہیں اگر ہم آپ کو اس مایا جال سے چھڑا دیں تو یقیناً آپ ہمارے احسان مند ہوں گے؟"

سیٹھ جی ہنسے اور بولے "بھگوان کے سوا اس مایا جال سے کون چھڑا سکتا ہے خاں صاحب؟

ہیڈ کانسٹیبل نے سنجیدہ چہرہ بنا کر کہا "بھگوان کیوں چھڑانے لگے۔ آپ خود کیوں نہیں چھوٹ جاتے دولت سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں، اسے کیوں نہ غریبوں میں تقسیم کر دیجئے بے فائدہ سینے پر بوجھ لادنے سے کیا مطلب؟"

"بھلا ایسا کہیں ہو سکتا ہے خاں صاحب مایا جال کہیں ٹوٹ سکتا ہے؟"

"میں تو توڑنے کو تیار ہوں اس وقت"

"اسی دولت کے لئے آدمی اپنا خون پسینہ ایک کر دیتا ہے خاں صاحب ہو عا فریب بے ایمانی اور ظلم سب کچھ اسی کے لئے کرتا ہے بغیر اپنا ضمیر بیچے دولت نہیں ملتی ایسی بیش قیمت چیز کون چھوڑ سکتا ہے؟"

لیکن آپ نے فرمایا ہے کہ صرف آپ کے اقبال کا ظہور ہے آپ نے کوئی خاص محنت نہیں کی۔
" نگرانی میں کچھ کم محنت ہے خاں صاحب"
"آپ دن بھر دھوپ میں ٹھیلہ کھینچنا پسند کریں گے یا گدی پر بیٹھے نگرانی کرنا؟"
"مگر سب آدمی سبھی کام تو نہیں کر سکتے۔"
"آخر یہ روپیہ آپ کے پاس آیا کہاں سے آپ نے کسی اسامی کو سو روپیہ قرض دیئے ہوں گے یقیناً اس سے کچھ نہ کچھ سود لیا ہی ہوگا۔ کبھی کبھی تو سود کے دو سو تین سو چار سو تک وصول کئے ہوں گے آپ کے روپے نے تو بچے دیئے نہیں۔ اسامی کی محنت سے روپے آپکے ہاتھ لگے بسا اوقات دو چار سو روپے قرض دے کر آپنے پورے خاندان کو اپنا غلام بنا لیا ہوگا اور ان کی شبانہ روز کی مشقت کی کمائی آپ کے ہاتھ لگی ہوگی۔"
"سیٹھ جی نے حیرت کی نگاہ سے خاں صاحب کی طرف دیکھا یہ تو کوئی بڑا عجیب آدمی ہے خواہ مخواہ بحث کر رہا ہے مانا میں نے دوسروں کی محنت سے ہی دولت پیدا کی تو پھر جو سب کرتے ہیں وہی میں نے کیا کوئی نئی بات نہیں کی بولے۔"
"اس طرح تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کے سبھی دولت مند مفت خور ہیں۔"
"خاں صاحب نے اس کی تائید کی بے شک میں بڑے زور سے یہ دعویٰ کرتا ہوں یہاں تک کہ سبھی سلطنتیں اسی ذیل میں آجاتی ہیں، فرق یہی ہے کہ آپ اسامیوں سے روپیے وصول کر کے جمع رکھ چھوڑتے ہیں سرکار اس سے ملک کا انتظام کرتی ہے علاالتیمی اور پولیس قائم کرتی ہے کہ آپ اور آپکے بھائی یہ اطمینان غریبا کا خون چوس سکیں۔ اگر کوئی غریب سرکشی کرے اور آپ کا منہ اپنی رگ سے ہٹا دینا چاہے تو سرکار کی پولیس اور عدالت اور فوج آپ کی مدد کرے دراصل آپ نے سود یا نفع یا مال گذاری کی شکل میں جو کچھ بھی پایا ہے وہ غریبوں کی کمائی ہے جو آپ نے ان سے جبراً چھین لی ہے اور جو آپ ہی کے لفظوں میں آپکے پاس بیکار پڑی ہوئی ہے آپکو مسروقہ مال گھر میں رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے آپ ان چیزوں کو پولیس کے حوالے کر کے گھر کی راہ لیجیے۔ ہم سرکاری پولیس کے سپاہی نہیں انصاف پولیس کے

سپاہی ہیں ہم نے متواتر خطوط سے آپ کو آگاہ کیا یہاں تک کہا کہ آپ ہمیں صرف پچیس ہزار روپے دیجئے لیکن آپ سرکاری امداد کے زعم میں بیٹھے رہے مجبوراً ہمیں یہ چال چلنا پڑی"

سیٹھ جی کا خون خشک ہوگیا۔ لیکن نہیں یہ پولیس والے مجھے ڈرا رہے ہیں اور میری بزدلانہ بدحواسی کا تماشا دیکھنا چاہتے ہیں۔ بولے :۔

"خاں صاحب آپ بڑے دل لگی باز ہیں۔ لیکن سچ مچ ڈاکوؤں نے یہ چال چلی ہوتی تو اس وقت میں دھوکے میں آچکا ہوتا"

"تو میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ ڈاکوؤں نے سچ مچ آپ کے ساتھ چال چلی ہے اور آپ دھوکے میں آگئے ہیں۔ اس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں۔"

"گاڑی رک گئی سیٹھ جی دھکیل کر نیچے گرا دیئے گئے اور دروازہ بند کر لیا گیا۔ موٹر آہستہ آہستہ چلی سیٹھ جی چلاتے ہوئے موٹر کے پیچھے دوڑے " حضور سرکار بھا بچو بالکل تباہ ہو جاؤنگا۔ رحم کیجئے گھر میں ایک کوڑی بھی نہیں ہے ہمارے بڑھاپے پر رحم کیجئے میں خوشی سے آپ کو پچیس ہزار دے دوں گا۔ آپ نے کہا ہے آپ انصاف کی پولیس ہیں بے انصافی نہ کیجئے"

خاں صاحب نے دروازے سے سر نکال کر کہا :۔

"کاش یہ پچیس ہزار آپ نے پہلے دے دیئے ہوتے اب تو معیاد گذر گئی آپ نے کو کتنے خطرے میں ڈال کر ہم نے یہ دولت پائی ہے اس کا خیال کیجئے آپ کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوتیں اور بیڑیاں پاؤں کی پڑ رہی ہوتی اب آپ آرام سے تشریف لے جائیے یہ وہ تین روپے ہیں جو آپ ساتھ لے کر یہاں آئے تھے اب جا کر پھر دولت جمع کیجئے دس یا پانچ برس میں ہم پھر آپ کو مایا جال سے نکالیں گے۔"

"موٹر تیز ہوگئی اور سیٹھ جی چیختے رہ گئے"

"دوڑو، دوڑو، دوڑو لوٹے لئے جا رہے ہیں"

"لیکن وہ ساری فریاد فریاد بے اثر تھی۔"

غمِ تدارک بزنجر

ان دنوں دودھ کی تکلیف تھی۔ کئی ڈیری فارموں کی آزمائش کی، اہیروں کا امتحان لیا، کوئی نتیجہ نہیں۔ دو چار دن تو دودھ اچھا ملتا، پھر آمیزش شروع ہو جاتی کبھی شکایت ہوتی دودھ پھٹ گیا کبھی اس میں سے ناگوار بو آنے لگتی کبھی کبھی مکھن کے ریزے سے نکلتے آخر ایک دن دوست سے کہا بھئی آؤ ساجھے میں ایک گائے لے لیں تمہیں بھی دودھ کا آرام ہوگا مجھے بھی، لاگت آدھی آدھی، خرچ آدھا آدھا، دودھ بھی آدھا آدھا دوست صاحب راضی ہو گئے میرے گھر میں جگہ نہ تھی اور گوبر وغیرہ سے مجھے نفرت ہے انکے مکان میں کافی جگہ تھی اس لئے تجویز ہوئی کہ گائے انہیں کے گھر رہے اس کے عوض انہیں گوبر پر بلا شرکت غیرے اختیار رہے وہ اسے کامل آزادی سے پاتھیں اُپلے بنائیں گھر لیپیں، پڑوسیوں کو دیں یا اسے کسی طبی مصرف میں لائیں من مقر کو اس میں کسی قسم کا اعتراض، احتجاج یا قیل و قال نہ ہوگا۔ اور منمقر بہ صحت ہوش و حواس و بہ اصابت عقل اقرار کرتا ہے کہ وہ گوبر پر کبھی دست تصرف دراز نہ کرے گا اور نہ کسی کو تصرف کے لئے آمادہ کرے گا۔

دودھ آنے لگا۔ روز بروز کی ضیق سے نجات ملی۔ ایک ہفتے تک کسی قسم کی شکایت نہ پیدا ہوئی۔ گرم گرم دودھ پیتا تھا اور خوش ہو کر گاتا تھا:۔

رب کا شکر ادا کر بھائی ۔۔۔ جس نے ہماری گائے بنائی
تازہ دودھ پلایا اس نے ۔۔۔ لطفِ حیات چکھایا اس نے
دودھ میں بھیگی روٹی میری ۔۔۔ اس کے کرم نے بخشی سیری
خدا کی رحمت کی ہے مورت ۔۔۔ کیسی بھولی بھالی صورت

مگر رفتہ رفتہ یہاں بھی پرانی شکایتیں پیدا ہونے لگیں یہاں تک نوبت پہنچی کہ دودھ صرف نام کا دودھ رہ گیا کتنا ہی اُبالو، نہ کہیں ملائی کا پتہ نہ مٹھاس کا پہلے تو شکایت کیا کرتا تھا اس سے دل کا بخار نکل جاتا تھا شکایت سے اصلاح نہ ہوتی تو دودھ بند کر دیتا تھا اب تو شکایت کا بھی موقعہ نہ تھا بند کر دینے کا ذکر ہی کیا پھر درویش برجان درویش بیوی یا نانی میں ٹالدو آٹھ روز کا نوشتہ قسمت تھا، بچہ دودھ کو منہ نہ لگاتا، پینا تو دور رہا آدھوں آدھ شکر ڈال کر کچھ دنوں دودھ پلایا تو پھوڑے نکلنے شروع ہوئے اور میرے گھر میں روز یہ چیخ پچ رہتی تھی بیوی نوکر سے فرماتیں دودھ لے کر جا نہیں کے سرٹیفیکٹ آئیں نوکر کو منع کرنا وہ کہتیں اچھے دوست ہیں تمہارے اسے شرم نہیں آتی کیا اتنا احمق ہے کہ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ یہ لوگ دودھ دیکھ کر کیا کہیں گے؟ گائے کو اپنے گھر منگوالو بلا سے بدبو آئے گی، مچھر ہوں گے، دودھ تو اچھا ملے گا روپے خرچ ہیں تو اس کی لذت تو ملے گی!"

چوڑھا صاحب میرے پرانے مہربان ہیں خاصی بے تکلفی ہے ان سے یہ حرکت انکے علم میں ہو اسے قیاس باور نہیں کرتا۔ یا تو ان کی بیوی کی شرارت ہے یا نوکر کی۔ لیکن ذکر کیسے کروں۔ اور پھر ان کی بیوی سے بھی راہ و رسم ہے کئی بار میرے گھر آ چکی ہیں میری دیوی جی بھی ان کے ہاں کئی بار مہمان جا چکی ہیں۔ کیا وہ یکایک اتنی بیوقوف ہو جائیں گی۔ صریح آنکھوں میں دھول جھونکیں گی اور پھر چاہے کسی کی شرارت ہو، میرے لئے یہ غیر ممکن تھا کہ ان سے دودھ کی خرابی کی شکایت کرتا خیریت یہ ہوئی کہ تیسرے مہینے چوڑھا کا تبادلہ ہو گیا میں تنہا گائے نہ رکھ سکتا تھا ساجھا ٹوٹ گیا گائے آدھے داموں میں بیچ دی گئی میں نے اس دن اطمینان کا سانس لیا۔"

آخر یہ صلاح ہوئی کہ ایک بکری رکھ لی جائے وہ بیچ آنگن کے ایک گوشے میں پڑی رہ سکتی ہے اسے رکھنے کیلئے نہ گوالے کی ضرورت نہ اس کا گوبر اٹھانے نہانے دھونے چارہ بھوسا ڈالنے کیلئے کسی ہیرن کی ضرورت بکری تو میرا ملازم بھی آسانی سے دیکھ لے گا!! تھوڑی سی بھوسی چوکر ڈال دی، بس قصہ تمام ہوا، بکری کا دودھ مفید بھی زیادہ ہے بچوں کے لئے

خاص طور پر زود ہضم معتدل صحت بخش حسن اتفاق سے میرے یہاں جو پنڈت جی میرے مسودے نقل کرنے آیا کرتے تھے ان معاملات میں کافی تجربہ کار تھے اِن سے ذکر آیا تو انہوں نے ایک بکری کی ایسی قصیدہ خوانی کی کہ میں اس کا نادیدہ عاشق ہو گیا۔ پچھائیں نسل کی بکری ہے اونچے قد کی بڑے بڑے تھن جو زمین سے لگتے چلتے ہیں بیحد کم خور لیکن بیحد دودھار ایک وقت میں دو ڈھائی سیر دودھ لے لیجئے ابھی پہلی مرتبہ ہی بیاہی ہے ۲۵ روپے میں آجائے گی مجھے دام کچھ زیادہ معلوم ہوئے لیکن پنڈت جی پر مجھے اعتبار تھا۔ فرمائش کردی گئی اور تیسرے دن بکری آپہنچی میں دیکھ کر اچھل پڑا جو اوصاف بیان کئے گئے تھے ان سے کچھ زیادہ ہی نکلے ایک چھوٹی سی مٹی کی ناند منگوائی گئی چوکر کا بھی انتظام ہو گیا شام کو میرے خدمت گار نے دودھ نکالا سچ مچ ڈھائی سیر میری چھوٹی بتیلی لبریز ہو گئی تھی اب موسلوں ڈھول بجائیں گے یہ مسئلہ اتنے دنوں کے بعد جاکے کہیں حل ہوا ہے پہلے ہی یہ بات سوجھتی تو کیوں اتنی پریشانی ہوتی پنڈت جی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا مجھے علی الصبح اور شام کو سینگ پکڑنے پڑتے تھے تب آدمی دودھ پاتا تھا لیکن یہ تکلیف اس دودھ کے مقابلے میں کچھ نہ تھی بکری کیا ہے کام دھین ہے بیوی نے سوچا اسے کہیں نظر نہ لگ جائے اس لئے اس کے تھن کے لئے ایک غلاف تیار ہوا اس کی گردن میں نیلے چینی کے دانوں کی ایک مالا پہنائی گئی گھر میں جو کچھ جھوٹا بچتا بیوی جی خود جاکر اسے کھلا آتی تھیں۔

لیکن ایک ہی ہفتے میں دودھ کی مقدار کم ہونے لگی ضرور نظر لگ گئی۔ بات کیا ہے۔ پنڈت جی سے حال کہا تو انہوں نے کہا صاحب دیہات کی بکری ہے زمیندار کی بید ریغ اناج کھاتی تھی اور سارا دن باغ میں گھوما چرا کرتی تھی یہاں بندھے بندھے دودھ کم ہو جائے تو تعجب نہیں۔ اسے ذرا ٹہلا دیا کیجئے۔"

لیکن شہر میں بکری کو ٹہلائے کون اور کہاں؟ اس لئے یہ طے ہوا کہ مضافات میں مکان لیا جائے وہاں بستی سے ذرا نکل کر کھیت اور باغ ہوں گے کہار گھنٹے دو گھنٹے ٹہلا دیا کرے گا۔

جھٹ پٹ مکان تبدیل کیا اور ہر چند مجھے دفتر آنے جانے میں تین میل کا فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا لیکن اچھا دودھ ملے تو میں اس کا دوگنا فاصلہ طے کرنے کو تیار ۔ یہاں جو نیا مکان تھا مکان کے سامنے صحن تھا ذرا اور بڑھ کر آم اور میوے وغیرہ کا باغ باغ سے نکلئے تو کاچھیوں کے کھیت تھے کسی میں آلو کسی میں گوبھی ایک کاچھی سے طے کر لیا کہ روزانہ بکری کے لئے کچھ ہریالی دے جایا کرے مگر اتنی کوشش کرنے پر بھی دودھ کی مقدار میں کوئی نمایاں بیشی نہ ہوئی ڈھائی سیر کی جگہ مشکل سے سیر بھر دودھ نکلتا تھا لیکن یہ تسکین تھی دودھ خالص ہے یہی کیا کم ہے ۔

"میں یہ بھی نہیں مان سکتا کہ خدمت گاری کے مقابلے میں بکری چرانا زیادہ ذلیل کام ہے ہمارے دیوتاؤں اور نبیوں کا نہایت معزز طبقہ گلہ بانی کیا کرتا تھا ۔ کرشن جی گائیں چراتے تھے کون کہہ سکتا ہے کہ اس گلے میں بکریاں نہ رہی ہوں گی حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ دونوں ہی بھیڑیں چراتے تھے لیکن انسان روایات کا غلام ہے جو بزرگوں نے نہیں کیا اسے وہ کیسے کرے نئے راستے پر چلنے کے لئے جس عزم اور پختہ یقین کی ضرورت ہے وہ ہر ایک میں تو ہوتا نہیں ۔ دھوبی آپ کے غلیظ کپڑے دھودے گا لیکن آپ کے دروازے پر جھاڑو لگانے میں اپنی ہتک سمجھتا ہے جرائم پیشہ اقوام کے فرد بازار سے کوئی چیز قیمتاً خریدنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں میرے خدمت گار کو بکری لیکر باغ میں جانا برا معلوم ہوتا ہے گھر سے تو لے جاتا لیکن باغ میں اسے چھوڑ کر خود کسی درخت کے نیچے سو جاتا بکری پتیاں چر لیتی تھی مگر ایک دن اس کے جی میں آیا کہ ذرا باغ سے نکل کر کھیتوں کی سیر کر آؤں تو وہ بہت ہی شستہ مزاج اور وضع دار بکری تھی اس کی صورت سے متانت اور تحمل جھلکتا تھا لیکن باغ اور کھیت میں اسے یکساں آزادی نہیں ہے اسے وہ شاید نہ سمجھ سکی ایک روز کسی کھیت میں گھس گئی اور گوبھی کی کئی کیاریاں صاف کر گئی کاچھی نے دیکھا تو اس کے کان پکڑ لئے اور میرے پاس آکر بولا بابو جی اس

طرح آپ کی بکری ہمارے کھیت چرے گی تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ آپ کو بکری رکھنے کا شوق ہے تو اسے باندھ کر رکھئے آج تو ہم نے تمہارا لحاظ کر لیا لیکن، پھر ہمارے کھیت میں گئی تو ہم یا تو اس کی ٹانگ توڑ دیں گے یا کانجی ہوس بھیج دیں گے ابھی وہ اپنی تقریر ختم نہ کرنے پایا تھا کہ اس کی بیوی آپہنچی اور اس نے اسی خیال کو زیادہ پر درد الفاظ میں ادا کیا ہاں ہاں کھوتی ہی رہی مگر رانڈ کھیت میں گھس گئی۔ اور سارا کھیت چوپٹ کر دیا اس کے پیٹ میں کھوائی بیٹھیں یہاں کوئی تمہارا دبیل نہیں ہے حاکم ہو گئے اپنے گھر کے ہو گئے۔ بکری رکھنا ہے تو باندھ کر رکھو نہیں تو گلا اینٹھ دوں گی" میں بھیگی بلی بنا ہوا کھڑا تھا جتنی پھٹکار آج سہنی پڑی اتنی زندگی میں کبھی نہ سہی تھی۔ اور جس تحمل سے آج کام لیا اگر اس سے دوسرے موقعوں پر کام لیا ہوتا تو آج آدمی ہوتا کہ جواب ہی نہ سوجھتا تھا بس یہی جی چاہتا تھا کہ بکری کا گلا گھونٹ دوں اور خدمت گار کو ڈیڑھ سو ہنٹر جماؤں میری خموشی سے وہ خاتون اور بھی شیر ہوتی جاتی تھی۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر خموشی مضر ثابت ہوتی ہے۔ بارے میری اہلیہ نے گھر میں یہ غل غپاڑہ سنا تو دروازے پر آگئیں اور ہیکڑی سے بولیں" تو کانجی ہوس پہنچا دے اور کیا کرے گی۔ ناحق بڑبڑ کر رہی ہے گھنٹے بھر سے جانور ہی ہے ایک دن کھل گئی تو کیا اس کی جان لے گی خبردار جو ایک بات بھی منہ سے نکالی ہو گی۔ کیوں نہیں کھیت کے چاروں طرف جھاڑ لگا دیتی۔ کانٹوں سے روندھ دے۔ اپنی غلطی تو مانتی نہیں اوپر سے لڑنے آتی ہے ابھی پولیس کو اطلاع کر دیں تو بندھے بندھے پھرو۔"

اس تحکمانہ انداز بیان نے ان دونوں کو ٹھنڈا کر دیا لیکن ان دونوں کے چلے جانے کے بعد میں نے دیوی جی کی خوب خبر لی۔ غریبوں کا نقصان بھی کرتی ہو، اوپر سے رعب جماتی ہو۔ اسی کا نام انصاف ہے؟" دیوی جی نے انداز تفاخر سے جواب دیا۔

میرا احسان تو نہ مانو گے کہ شیطان کو کتنی آسانی سے دفع کر دیا گئے اُلٹے ڈانٹنے گنواروں کو راہ پر لانے کا سختی کے سوا دوسرا کوئی طریقہ نہیں، شرافت یا فیاضی ان کی سمجھ میں نہیں آتی اسے یہ لوگ کمزوری سمجھتے ہیں اور کمزور کو کون نہیں دبانا چاہتا؟"

خدمت گار سے جواب طلب کیا تو اس نے صاف کہہ دیا "صاحب بکری چرانا میرا کام نہیں ہے۔"

میں نے کہا "تم سے بکری چرانے کو کون کہتا ہے ذرا اسے دیکھتے رہا کرو کہ کسی کھیت میں نہ جائے۔ اتنا بھی تم سے نہیں ہو سکتا؟"

"میں بکری نہیں چرا سکتا صاحب! کوئی دوسرا آدمی رکھ لیجئے"

"آخر میں نے خود شام کو باغ میں چرانے کا فیصلہ کیا۔ اتنے ذرا سے کام کے لئے ایک نیا آدمی رکھنا میری حیثیت سے باہر تھا اور اپنے خدمت گار کو بھی جواب دینا نہیں چاہتا تھا جس نے کئی سال تک وفاداری سے میری خدمت کی تھی اور ایماندار تھا دوسرے دن میں دفتر سے ذرا جلد چلا آیا اور جھٹ پٹ بکری کو لے کر باغ میں جا پہنچا جاڑوں کے دن تھے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی درختوں کے نیچے سوکھی پتیاں گری ہوئی تھیں بکری پتیوں پر ٹوٹی پڑتی تھی گویا مہینوں کی بھوکی ہو رہی تھی ابھی اس درخت کے نیچے تھی کہ ایک پل میں وہ جا پہنچی میری ذلیل ہو رہی تھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا پھرتا تھا دفتر سے لوٹ کر ذرا آرام کیا کرتا تھا آج یہ قواعد کرنا پڑی تھک گیا مگر محنت سپھل ہو گئی آج بکری نے کچھ زیادہ دودھ دیا۔"

"یہ خیال آیا اگر سوکھی پتیاں کھانے سے دودھ کی مقدار بڑھ گئی تو یقیناً ہری ہری پتیاں کھلائی جائیں تو اس سے کہیں بہتر نتیجہ نکلے لیکن ہری پتیاں آئیں کہاں سے درختوں سے توڑوں تو باغ کا مالک ضرور اعتراض کرے گا قیمتاً ہری پتیاں مل نہ سکتی تھیں سوچا کیوں نہ ایک بار بانس کے لگے سے پتیاں توڑیں مالک نے شور مچایا

تو اس سے منتیں کریں گے راضی ہو گیا تو خیر نہیں دیکھی جائے گی تھوڑی سی پتیاں توڑ لینے سے درخت کا کیا بگڑ جاتا ہے چنانچہ ایک پڑوسی سے ایک پتلا لمبا بانس مانگ لایا اس میں آنکس باندھا اور شام کو بکری کو ساتھ لے کر پتیاں توڑنے لگا۔ چور آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھتا جاتا تھا۔ کہیں مالک تو نہیں آ رہا ہے دفعتہً وہی کاچھی ایک طرف سے نکلا اور مجھے پتیاں توڑتے دیکھ کر بولا "کیا کرتے ہو بابو جی؟ آپ کے ہاتھ میں یہ لگار اچھا نہیں لگتا۔ بکری پالنا ہم غریبوں کا کام ہے کہ آپ جیسے شریفوں کا میں کٹ گیا کچھ جواب نہ سوجھا۔ اس میں کیا برائی ہے اپنے ہاتھ سے اپنا کام کرنے میں کیا شرم وغیرہ جوابات ہلکے بے حقیقت، مصنوعی معلوم ہوئے سفید پوشانہ خود داری نے زبان بند کر دی کاچھی نے قریب آ کر میرے ہاتھ سے لگا لے لیا اور آنِ واحد میں ہری پتیوں کا ڈھیر لگا دیا اور پوچھا۔ پتیاں کہاں رکھ آؤں؟"

میں نے جھینپتے ہوئے کہا۔ تم رہنے دو میں اٹھا لے جاؤں گا۔"

اس نے تھوڑی سی پتیاں بغل میں اٹھا لیں اور بولا۔ "آپ کیا پتیاں رکھنے جائیں گے چلئے میں رکھ آؤں۔"

میں نے برآمدے میں پتیاں رکھوا دیں۔ اسی درخت کے نیچے اس کی جو گنی پتیاں پڑی ہوئی تھیں کاچھی نے ان کا ایک گٹھا بنایا اور سر پر لاد کر چلا گیا اب مجھے معلوم ہوا یہ دہقان کتنے چالاک ہوتے ہیں کوئی بات مطلب سے خالی نہیں۔

مگر دوسرے دن بکری کو باغ میں لے جانا میرے لئے دشوار ہو گیا کاچھی پھر دیکھے گا اور نہ جانے کیا کیا فقرے چست کرے گا۔ اس کی نظروں میں گر جانا روز سیاہ ہو جانے سے کم شرمناک نہ تھا ہماری عزت اور توقیر کا جو معیار عوام نے قائم کر رکھا ہے ہم کو اس کا احترام کرنا پڑے گا۔ نکو بن کر رہے تو کیا رہے۔

لیکن بکری بڑی آسانی سے آزادانہ چہل قدمی سے دست بردار ہونا نہ چاہتی

تھی جسے اس نے اپنا معمول سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ شام ہوتے ہی اسنے اتنے زور شور سے صدائے احتجاج بلند کی کہ گھر میں بیٹھنا مشکل ہو گیا گھگری دار مَیں مَیں کی آوازیں آ آ کر کان کے پردوں کو مجروح کرنے لگیں۔ کہاں بھاگ جاؤں؟ بیوی نے گالیاں دینا شروع کیں۔ میں نے غصے میں آکر کئی ڈنڈے رسید کئے مگر اس نے ستیا گرہ ملتوی کرنا تھا نہ کیا۔ عجیب عذاب میں جان تھی۔

آخر مجبور ہو گیا۔ خود کردہ را علاجے نیست آٹھ بجے رات، جاڑوں کے دن گھر سے باہر منہ نکالنا مشکل اور میں بکری کو باغ میں ٹہلا رہا تھا اور اپنی قسمت کو کوس رہا تھا اندھیرے میں پاؤں رکھتے میری روح کانپتی تھی۔ ایک بار میرے سامنے سے ایک سانپ نکل گیا تھا۔ اگر اس کے اوپر پیر پڑ جاتا تو ضرور کاٹ لیتا تب سے میں اندھیرے میں کبھی نہ نکلتا تھا مگر آج اس بکری کے کارن مجھے اس خطرے کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ذرا بھی ہوا چلتی اور پتے کھڑکتے تو میری آنتیں سکڑ جاتیں اور پنڈلیاں کانپنے لگتیں۔ شاید اس جنم میں بکری رہا ہوں گا اور یہ بکری میری آقا رہی ہو گی وہی کفارہ اس زندگی میں ادا کر رہا تھا برا ہو اس پنڈت کا جس نے یہ بلا میرے سر منڈھی گرہستی ہی جنجال ہے بچہ نہ ہوتا تو کیوں اس موذی جانور کی اتنی خوشامد کرنی پڑتی اور یہ بچہ بڑا ہو جائے گا تو بات نہ سنے گا کہے گا آپ نے میرے لئے کیا کیا ہے کونسی جائداد چھوڑی ہے یہ سزا بھگت کر ۹ بجے رات کو لوٹا اگر رات کو بکری مر جاتی تو مجھے مطلق غم نہ ہوتا۔

دوسرے دن صبح ہی سے مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کسی طرح رات کو بیگار سے چھٹی ملے آج دفتر میں تعطیل تھی میں نے ایک لمبی رسی منگوائی اور شام کو بکری کے گلے میں رسی ڈال ایک درخت کی جڑ سے باندھ کر چھوڑ دیا اب چرے جتنا چاہے اب چراغ جلتے جلتے کھول لاؤں گا تعطیل تھی ہی شام کو سینما دیکھنے کی ٹھہری

ایک اچھا سا کھیل آیا ہوا ہے نوکر کو بھی ساتھ لیا اور بچے کو کون سنبھالتا جب نو بجے رات کو گھر لوٹے اور میں لالٹین لے کر بکری کو لینے گیا دیکھتا ہوں کہ اس نے رسی کو دو تین درختوں میں لپیٹ کر ایسا الجھنا ڈالا کہ سلجھنا مشکل ہے اتنی رسی بھی نہ بچی تھی کہ وہ ایک قدم بھی چل سکتی لاحول ولاقوۃ جی میں آیا کمبخت کو یہیں چھوڑ دوں۔ مرتی ہے تو مر جائے اب اتنی رات کو۔ لالٹین کی روشنی سے کون رسی سلجھانے بیٹھے لیکن دل نہ مانا پہلے اس کی گردن سے رسی کھولی پھر اس کی پیچ در پیچ اینٹھن چھوڑائی ایک گھنٹہ وقت صرف ہو گیا۔ مارے سردی کے ہاتھ ٹھٹھرے جاتے تھے۔ اور جی جل رہا تھا۔ وہ الگ یہ ترکیب اور بھی تکلیف دہ ثابت ہوئی۔

اب کیا کروں کچھ عقل کام نہیں کرتی تھی۔ دودھ کا خیال نہ ہوتا تو کسی کو دے دیتا۔ شام ہوتے ہی چڑیل صدائے بے ہنگام شروع کر دے گی۔ اور گھر میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ اور آواز بھی کتنی کریہہ اور منحوس ہوتی ہے۔ شاستروں میں لکھا بھی ہے۔ جتنی دور اس کی آواز جاتی ہے۔ اتنی دور دیوتا نہیں آتے۔ سورگ کی بسنے والی ہستیاں جو اپسراؤں کے نغمے سننے کی عادی ہیں، اس کی مکروہ آواز سے نفرت کریں تو کیا تعجب مجھ پر اس کی سمع خراش صداؤں کی ایسی ہیبت سوار تھی کہ دوسرے دن دفتر سے آتے ہی میں گھر سے نکل بھاگا لیکن ایک میل نکل جانے پر بھی ایسا گمان ہو رہا تھا کہ اس کی آواز میرا پیچھا کئے چلی آتی ہے اپنی تنگ ظرفی پر شرم بھی آ رہی تھی جسے ایک بکری رکھنے کی بھی توفیق نہ ہو وہ اتنا نازک دماغ کیوں ہے اور پھر تم ساری رات تو گھر سے باہر رہو گے نہیں، آٹھ بجے پہنچو گے تو کیا وہ گوسفندانہ نغمہ تمہارا خیر مقدم نہ کرے گا۔

"دفعتاً ایک نیچی شاخوں والا درخت دیکھ کر مجھے بے اختیار اس پر چڑھنے کی تحریک ہوئی سپاٹ تنوں پر چڑھنا مشکل ہوتا ہے یہاں تو ۶-۷ فٹ کی اونچائی پر

شاخیں پھوٹ گئی تھیں۔ہری ہری پتیوں سے درخت لدا کھڑا تھا۔اور درخت بھی تھا گولر کا جس کی پتیوں سے بکریوں کو خاص رغبت ہے ہیں ادھر تیس سال کسی ڈروکھ پہ نہیں چڑھا وہ عادت جاتی رہی اس لئے آسان چڑھائی کے باوجود میرے پاؤں کانپ رہے تھے۔ پر میں نے ہمت نہ ہاری اور پتیاں توڑ توڑ کر نیچے گرانے لگا یہاں اکیلے میں کون مجھے دیکھتا ہے کہ پتیاں توڑ رہا ہوں ابھی اندھیرا ہو جاتا ہے پتیوں کا ایک گٹھر بغل میں دباؤں گا اور گھر جا پہنچوں گا۔اگر اتنے پر بھی بکری نے چین پکڑی تو اس کی شامت ہی آجائے گی۔

میں ابھی اوپر ہی تھا بکریوں اور بھیڑوں کا ایک غول نہ جانے کدھر سے آنکلا اور پتیوں پہ پل پڑا میں اوپر سے چیخ رہا ہوں مگر کون سنتا ہے چرواہے کا کہیں پتہ نہیں کہیں دبک رہا ہوگا کہ دیکھ لیا جاؤں گا تو گالیاں پڑیں گی جھلا کر نیچے اترنے لگا ایک ایک پل میں پتیاں غائب ہوتی جاتی تھیں اتر کر ایک ایک کی ٹانگ توڑ دوں۔

یکایک پاؤں پھسلا اور میں دس فٹ کی اونچائی سے نیچے آرہا۔کمر میں ایک ایسی چوٹ آئی کہ پانچ منٹ تک آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔خیریت ہوئی کہ اور اوپر سے نہیں گرا نہیں تو شہید ہو جاتا۔بارے میرے گرنے کے دھماکے سے بکریاں بھاگیں اور تھوڑی سی پتیاں بچ رہیں جب ذرا ہوش بجا ہوئے تو میں نے ان پتیوں کو جمع کر کے ایک گٹھا بنایا اور مزدوروں کی طرح اسے کندھے پر رکھ کر شرم کے مارے چھپاتے گھر چلا راستے میں کوئی حادثہ نہ ہوا جب مکان کوئی چار فرلانگ رہ گیا اور میں نے قدم تیز کئے کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے تو وہ کاچھی سامنے سے آتا دکھائی دیا۔کچھ نہ پوچھو اس وقت میری کیا حالت ہوئی راستے کے دونوں طرف کھیتوں کی اونچی میڈھیں تھیں جن کے اوپر ناگ پھنی کے کانٹے لگے ہوئے تھے اگر رستے رستے جاتا ہوں تو وہ ظالم میری بغل سے ہو کر گزرے گا اور خدا جانے معلوم کیا ستم ڈھائے کہیں مڑنے کا رستہ نہیں اور وہ مردود بلائے بے درماں کی طرح چلا آتا تھا میں نے دھوتی اوپر سرکائی چال بدلی اور سر جھکا کر اس طرح نکل جانا چاہتا تھا کہ کوئی

مزدور ہے تلے کی سانس تلے تھی اور اُوپر کی اُوپر جیسے وہ کاچھی کوئی خونخوار شیر ہو۔ بار بار خدا کو یاد کر رہا تھا۔ یا الٰہی تو ہی آفت زدوں کا والی و مددگار ہے اس مردود کی زبان بند کر دے ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں کا نور غائب کر دے..... آہ! وہ جان گسل لمحہ جب میں اس کے برابر ایک گز کے فاصلے سے نکلا۔ ایک ایک قدم تلوار کی دھار پر پڑ رہا تھا کہ شیطانی آواز کان میں آئی کون ہے کہاں سے پتیاں توڑے لاتا ہے ؟ مجھے معلوم ہُوا کہ نیچے کی زمین نکل گئی ہے اور میں اس کے گہرے شکم میں جا پہنچا ہوں روئیں برچھیاں بنے ہوئے تھے دماغ میں ابال سا آ رہا تھا اعضا مفلوج ہو رہے تھے جواب دینے کا ہوش نہ رہا تیزی سے دو تین قدم آگے بڑھ گیا مگر وہ ارادی فعل نہ تھا حفظِ جان کا اضطراری عمل تھا ایک ظالم ہاتھ گھٹے پر پڑا اور گٹھا نیچے گر پڑا پھر مجھے یاد نہیں کیا ہوا جب مجھے ہوش آیا تو میں اپنے دروازے پر پسینے میں تر کھڑا تھا گویا مرگی کے دورے کے بعد اٹھا ہوں اس وقفے میں روح پر شعورِ ثانی کی حکومت تھی اور بکری کی وہ مکروہ آواز وہ دل خراش آواز وہ ہمت شکن آواز وہ دنیا کی ساری نحوستوں کا خلاصہ وہ دنیا کی ساری لعنتوں کی روح کان میں چھبی جا رہی تھی۔

بیوی نے پوچھا آج کہاں چلے گئے تھے اس چڑیل کو ذرا باغ میں بھی نہ لیتے گئے جینا محال کئے دیتی ہے گھر سے نکل کر کہاں چلی جاؤں۔"

میں نے تشفی دی۔ آج چلا لینے دو کل سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ اسے گھر سے نکال باہر کروں چاہے قصاب ہی کو دینا پڑے۔"

"اور لوگ نہ جانے کیسے بکریاں پالتے ہیں؟"

"بکری پالنے کے لئے کتے کا دماغ چاہیئے۔"

صبح کو بستر سے اُٹھ کر اسی فکر میں بیٹھا تھا کہ اس کالی بلا سے کیوں کر نجات حاصل کروں کہ دفعتہً ایک گڈریا بکریوں کا ایک گلہ چراتا ہوا آنکلا میں نے اسے پکارا اور

اس سے اپنی بکری چرانے کی تجویز پیش کی گڈریہ راضی ہو گیا یہی اس کا کام تھا۔"

"میں نے پوچھا کیا لو گے؟" "آٹھ آنے بکری ملنے پر، حضور۔"

"میں ایک روپیہ دوں گا، لیکن بکری میرے سامنے نہ آئے۔"

"گڈریہ حیرت میں رہ گیا۔ مرکھنی ہے کیا، بابو جی؟"

"نہیں نہیں بہت سیدھی ہے بکری کیا مارے گی لیکن میں اس کی صورت نہیں دیکھنی چاہتا۔"

"ابھی تو دودھ دیتی ہے"

"ہاں سیر سوا سیر دودھ دیتی ہے۔"

"دودھ آپ کے گھر پہنچ جایا کرے گا۔"

"تمہاری مہربانی۔"

"جس وقت سے بکری گھر سے نکلی ہے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میری نحوست نکل جا رہی ہے بکری بھی خوش تھی گویا قید سے چھوٹی ہو۔"

گڈریے نے اسی وقت دودھ نکالا اور گھر میں رکھ کر بکری کو لے کر چلا گیا۔ ایسا بے غرض گاہک اسے زندگی میں شاید پہلی ہی بار ملا ہو گا۔"

ایک ہفتے تک تو دودھ تھوڑا بہت آتا رہا پھر اس کی مقدار کم ہونے لگی یہاں تک کہ ایک مہینہ ختم ہوتے ہوتے دودھ بالکل بند ہو گیا معلوم ہوا بکری گابھن ہو گئی ہے۔ میں نے ذرا بھی اعتراض نہ کیا۔ کاچھی کے پاس گائے تھی، اس سے دودھ لینے لگا میرا نوکر خود جا کر دوہا لاتا تھا۔"

کئی مہینے گذر گئے۔ گڈریہ مہینے میں ایک بار آ کر اپنا روپیہ لے جاتا میں نے کبھی اس سے بکری کا ذکر نہ کیا اس کے خیال ہی سے میری روح کو وحشت ہوتی وہ اگر قیافہ شناس ہوتا تو بڑی آسانی سے اپنا حق الخدمت دوگنا کر سکتا تھا۔"

ایک دن میں دروازے پر بیٹھا ہوا تھا کہ گڈریہ اپنی بکریوں کا گلا لئے آنکلا۔ میں اس کا روپیہ لانے اندر گیا کہ کیا دیکھتا ہوں میری بکری دو بچوں کے ساتھ مکان میں آ پہنچی وہ پہلے سیدھی اس جگہ گئی جہاں بندھا کرتی تھی۔ پھر وہاں سے آنگن میں آئی اور شاید تعارف کے اظہار کے لئے میری بیوی کی طرف تاکنے لگی۔ انہوں نے دوڑ کر ایک بچے کو گود میں لے لیا اور کوٹھڑی میں جاکر مہینوں کا جمع چوکر نکال لائیں اور ایسی محبت سے بکری کو کھلانے لگیں گویا بہت دنوں کی بچھڑی ہوئی سہیلی آگئی ہو نہ وہ پرانی تلخی تھی، نہ وہ کدورت کبھی بچے کو چمکارتی تھیں، کبھی بکری کو سہلاتی تھیں اور بکری ڈاک کی رفتار سے چوکر اڑا رہی تھی۔"

"نہنیا مجھ سے بولیں: کتنے خوب صورت بچے ہیں۔"

"ہاں بہت خوبصورت ہیں۔"

"جی چاہتا ہے کہ ایک پال لوں۔"

"ابھی طبیعت سیر نہیں ہوئی؟"

"تم بڑے نرموہتے ہو۔"

"چوکر ختم ہوگیا۔ بکری اطمینان سے رخصت ہوگئی دونوں بچے بھی اس کے پیچھے پھدکتے ہوئے چلے گئے دیوی آنکھ میں آنسو بھرے یہ تماشا دیکھتی رہیں۔"

"گڈریے نے چلم بھری اور گھر میں آگ مانگنے آیا چلتے وقت بولا کل سے دودھ پہنچادیا کروں گا، مالک"

دیوی جی نے کہا۔ اور دونوں بچے کیا پئیں گے؟"

"بچے کہاں تک پئیں گے بہو جی! دو سیر دودھ دیتی ہے ابھی دودھ اچھا نہ ہوتا تھا اس مارے نہیں لایا۔"

"سب مجھے رات کا وہ روح شکن واقعہ یاد آ گیا۔
میں نے کہا" دودھ لاؤ یا نہ لاؤ تمہاری خوشی۔ لیکن بکری کو ادھر نہ لانا"
اس دن سے پھر نہ وہ گڈریا نظر آیا۔ اور نہ وہ بکری۔ اور نہ میں نے سراغ لگانے کی کوشش کی۔ لیکن دیوی جی اس کے بچوں کو یاد کر کے کبھی کبھی آنسوں بہا لیتی ہیں۔



منت کرم داشتن

ان دنوں حسن اتفاق سے حاکم ضلع ایک صاحبِ ذوق بزرگ تھے جنہوں نے تاریخ اور قدیم سکہ جات میں اچھی تفتیش کی ہے خدا جانے کیسے دفتری کاموں سے انہیں ان مشاغل کے لئے فرصت مل جاتی ہے میں نے ان کے کارنامے پڑھے تھے۔ لوران کا غائبانہ مداح تھا۔ لیکن ان کی افسری مزید تعلقات میں مانع تھی۔ مجھے یہ تکلف تھا کہ اگر میری جانب سے پیش قدمی ہوئی تو عام تجربے کے مطابق وہ میری حکام جوئی پر محمول کی جائے گی اور کسی حالت میں بھی یہ الزام اپنے سر پر نہیں لینا چاہتا تھا میں تو حکام کو دعوتوں اور عام تقریبوں میں مدعو کرنے کا بھی مخالف ہوں۔ اور جب کبھی سنتا ہوں کہ کسی افسر کو رفاہِ عام کے جلسے کا صدر بنایا گیا یا کوئی اسکول یا شفاخانہ یا بدھوا آشرم کسی گورنر کے نام سے منسوب ہوا تو برادران وطن کی غلامانہ ذہنیت پر گھنٹوں افسوس کرتا ہوں۔ مگر جب ایک دن حاکم ضلع نے خود میرے نام ایک رقعہ بھیجا کہ آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میرے بنگلے پر تشریف لانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے تو میں بڑے شش و پنج میں پڑ گیا۔ کیا جواب دوں اپنے دو ایک دوستوں سے مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا صاف کہہ دیجئے مجھے فرصت نہیں وہ حاکم ضلع ہوں گے تو اپنے گھر کے ہوں گے۔ کوئی سرکاری یا ضابطے کا کام ہوتا تو آپ کا جانا مناسب تھا لیکن ذاتی ملاقات کے لئے آپ کا جانا آپ کی شان کے خلاف ہے آخر وہ خود آپ کے مکان پر کیوں نہیں آئے اس سے کیا اُن کی شان میں بٹہ لگا جاتا تھا۔ اس لئے تو خود نہیں آئے اور آپ کو بلایا کہ وہ حاکم ضلع ہیں ان احمق ہندوستانیوں کو کبھی یہ سمجھ نہ آئے گا کہ دفتر کے باہر وہ بھی ویسے ہی انسان ہیں جیسے ہم، آپ شاید یہ لوگ اپنی بیوی سے بھی افسری جتاتے ہوں گے انہیں اپنا عہدہ کبھی نہیں بھولتا

ایک صاحب نے جو لطیفوں کے خزانچی ہیں۔ ہندوستانی افسروں کے کئی پرمذاق تذکرے سنائے ایک افسر صاحب سسرال گئے۔ شاید بیوی کو رخصت کرانا تھا جیسا عام رواج ہے خسر صاحب نے اس موقع پر رخصت کرنے سے انکار کیا۔ کہا "بیٹا ابھی اتنے دنوں کے بعد آئی ہے تین مہینے بھی نہیں ہوئے بھلا اور نہیں تو چھ مہینے تو رہنے دو۔" ادھر بیوی نے بھی نائن کے ذریعے پیغام کہلا بھیجا۔ ابھی میں جانا نہیں چاہتی، آخر ماں باپ سے بھی تو محبت ہے۔ کچھ تمہارے ہاتھ بک تھوڑے ہی گئی ہوں۔ میاں داماد ڈپٹی کلکٹر تھے جامے سے باہر ہوگئے۔ خسر پر سمن جاری کر دیا۔ بیچارہ بڈھا آدمی دوسرے دن صاحبزادی کو لے کر داماد کی خدمت میں حاضر ہوا تب جا کے ان کی جان بچی۔ یہ لوگ خر دماغ ہوتے ہیں۔ اور پھر تمہیں حاکم ضلع سے لینا کیا ہے۔ اگر تم کوئی باغیانہ یا اشتعال انگیز یا مضمون لکھو گے۔ فوراً گرفتار ہو جاؤ گے۔ مطلق رعایت نہ کی جائے گی۔ اپنے لڑکے کے لئے قانون گوئی یا نائب تحصیلداری کی فکر تمہیں ہے۔ نہیں پھر خواہ مخواہ کیوں دوڑے جاؤ۔

لیکن میں نے دوستوں کی صلاح پر کار بند ہونا تہذیب کے خلاف سمجھا۔ ایک شریف آدمی قدر افزائی کرتا ہے۔ تو اس سے محض اس بنا پر بے اعتنائی کرنا کہ وہ حاکم ضلع ہے تنگ ظرفی ہے بیشک حاکم ضلع صاحب میرے غریب خانے پر آتے تو ان کی شان کم نہ ہوتی وضع دار آدمی ہیں بے تکلف چلا آتا۔ لیکن بھئی ضلع کی افسری بڑی چیز ہے اور فسانہ نگار کی ہستی ہی کیا ہے۔ انگلینڈ یا امریکہ میں افسانہ نگاروں کی میز پر مدعو ہونے میں وزیر اعظم بھی اپنا اعزاز سمجھتے ہوں گے۔ لیکن یہ ہندوستان ہے۔ جہاں ہر ایک رئیس کے دربار میں شاعروں کا ایک انبوہ قصیدہ خوانی کے لئے جمع رہتا تھا۔ اور اب بھی تاج پوشی کے موقع پر ہمارے اہل قلم بن بلائے رئیسوں کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ قصیدے پیش کرتے ہیں انعام پاتے ہیں تم تو ایسے کہاں کے ہو کہ حاکم ضلع تمہارے گھر چلا آئے وہ افسر ہے۔ تم معمولی مضمون نگار ہو جب تمہیں اس قدر اکڑپن اور تنگ مزاجی ہے تو پھر وہ ضلع کا بادشاہ ہے۔ اگر اسے کچھ غرور

بھی ہو تو جائز ہے۔ اسے کمزوری کہو، حماقت کہو، خود دماغی کہو۔ لیکن پھر بھی جائز ہے۔ اور تمہارا کیا شکر کرو کہ افسر صاحب تمہارے گھر نہیں آئے ورنہ ان کی خاطر و مدارات کا سامان تمہارے یہاں کہاں تھا۔ گنتی کی کرسی بھی تو نہیں ہے۔ تین پیسے کی بیڑیاں پی کر دل خوش کر لیتے ہو۔ توفیق روپے کے دو سگار پینے کی! کہاں وہ سگار ملتا ہے۔ اس کا کیا نام ہے اس کی خبر ہے۔ تمہیں اپنی تقدیر کو سراہو کہ وہ خود نہیں آئے۔ چار پانچ روپے بگڑ ہی جاتے اور شرمندگی بھی ہوتی خدا نخواستہ اور تمہاری شامت اعمال سے کہیں ان کی اہلیہ بھی ہمراہ ہوتیں تو قیامت ہی آ جاتی۔ ان کی مہمان نوازی تم یا تمہاری دھرم پتنی جی کیا کر سکتی تھیں؟ وہ تمہارے گھر میں یقیناً جاتیں اور تمہارے لیے موت کا سامان ہوتا۔ تم اپنے گھر میں پھٹے پرانے پہن کر اپنی بے نوائی میں مگن رہ کر زندگی بسر کر سکتے ہو۔ لیکن کوئی بھی خوددار شخص یہ گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ اس کی خستہ حالی دوسروں کے لیے مایہ تفریح ہو۔ ان لیڈی صاحب کے سامنے تمہاری تو زبان بند ہو جاتی اور یہی جی چاہتا۔ کہ زمین پھٹ جاتی اور تم اس میں سما جاتے۔

چنانچہ میں نے حاکم ضلع کی دعوت قبول کی اور باوجودیکہ اس میں کسی قدر ناگوار [illegible] تھی۔ لیکن شفقت اور خلوص نے اسے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کم سے کم انہوں نے مجھے شکایت کا موقع نہ دیا۔ افسرانہ فطرت کو تبدیل کرنا ان کے امکان سے باہر تھا۔

میں نے سوچا یہ ذاتی معاملہ ہے انہوں نے مجھے بلایا۔ میں چلا گیا۔ کچھ ادھر ادھر کی گپ شپ کی اور واپس آیا۔ کسی سے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں نے اس واقعہ کو زیادہ اہمیت نہ دی گویا بازار سبزی خریدنے گیا تھا۔

لیکن مخبروں نے جانے کیسے اس کی خبر لگائی خاص خاص حلقوں میں یہ چرچے ہونے لگے۔ کہ افسر ضلع سے میرے بہت دوستانہ تعلقات ہیں۔ اور وہ میری بڑی عزت کرتے ہیں مبالغے نے میری وقعت میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ یہاں تک مشہور ہوا کہ وہ مجھ سے صلاح لئے بغیر کوئی تجویز یا رپورٹ نہیں لکھتے۔

کوئی ذی ہوش آدمی اس قسم کی شہرت سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اہل غرض باؤ سے ہوتے ہیں۔ تنکے کا سہارا ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ انہیں اس کا یقین دلانا کچھ بھی مشکل نہیں تھا کہ میرے ذریعے ان کی مطلب براری ہو سکتی ہے۔ لیکن میں ایسی حرکتوں کو ذلیل سمجھتا ہوں

اصحاب اپنی اپنی داستانیں لے کر میرے پاس آئے۔ کسی کے ساتھ پولیس نے بے جا زیادتی کی تھی۔ کوئی انکم ٹیکس والوں کی سختیوں سے نالاں تھا۔ کسی کو یہ شکایت تھی۔ کہ دفتر میں اس کی حق تلفی ہو رہی ہے اور اس کے بعد کے آدمیوں کو ترقیاں مل رہی ہیں اس کا نمبر جب آتا ہے کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ علیٰ ہذا اس قسم کی کوئی نہ کوئی داستان روز ہی مجھ تک پہنچنے لگی۔ لیکن میرے پاس ان سب کے لئے ایک ہی جواب تھا۔ "مجھ سے کوئی مطلب نہیں"

ایک دن میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ کہ میرے بچپن کے ایک ہم جماعت دوست وارد ہوئے ہم دونوں ایک ہی مکتب میں پڑھنے جایا کرتے تھے کوئی ۵۰ سال کی پرانی بات ہے میری عمر ۹ سال سے زیادہ نہ تھی۔ قریب قریب اسی عمر کے، مگر مجھ سے کہیں توانا اور فربہ تھے میں ذہین تھا۔ وہ حد درجہ کے غبی مولوی صاحب ان سے عاجز تھے۔ اور انہیں سبق پڑھانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی تھی میں اسے اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔ اور مولوی صاحب کی قمچی جہاں لاچار تھی۔ وہاں میری ہمدردی کامیاب ہو گئی۔ بلدیو چل نکلا اور خالق باری تک آ پہنچا مگر اسی درمیان میں مولوی صاحب کی وفات نے اس مکتب کا خاتمہ کر دیا اور طلبہ بھی منتشر ہو گئے۔ تب سے بلدیو کو میں نے صرف دو تین بار راستے میں دیکھا میں اب بھی وہی منحنی ہوں وہ اب بھی دیو قامت، رام رام ہوئی، ایک دوسرے کی خیر و عافیت پوچھی، اور اپنی اپنی راہ چلے گئے۔ میں نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "آؤ بھئی [illegible] تو ہو گئے یاد کیا کیا کرتے ہو آج کل؟"

"[illegible]" کہا"

"[illegible] ہیں۔ اور کیا!"

تم سے ملنے کا بہت دنوں سے اشتیاق تھا۔ یاد کرو وہ مکتب والی بات جب تم مجھے پڑھایا کرتے تھے تمہاری بدولت چار حرف پڑھ گیا۔ اور اپنی زمینداری کا کام سنبھال لیتا ہوں نہیں تو کورا رہتا تم میرے گرو ہو بھائی۔ سچ کہتا ہوں مجھ جیسے گدھے کو پڑھانا تمہارا کام تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ مولوی صاحب سے سبق پڑھ کر اپنی جگہ پر آیا نہیں کہ بالکل صاف کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔ تم تو تب بھی بڑے ذہین تھے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے مجھے پرعزت نظروں سے دیکھا۔ اس نے باچشم تر کہا "میں تو جب تمہیں دیکھتا ہوں تو یہی جی میں آتا ہے کہ دوڑ کر تمہارے گلے سے لپٹ جاؤں ۲۵ سال کی مدت گویا بالکل غائب ہو جاتی ہے وہ مکتب آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے اور بچپن ساری دلفریبیوں کے ساتھ تازہ ہو جاتا ہے۔"

بلدیو نے بھی رقت آمیز لہجے میں جواب دیا "میں نے تو بھیا تمہیں ہمیشہ اپنا مربی اور رہنما سمجھا ہے جب تمہیں دیکھتا ہوں تو چھاتی گز بھر کی ہو جاتی ہے کہ وہ میرا بچپن کا دوست جاتا ہے جو وقت پڑنے پر کبھی دغا نہ دے گا۔ تم کچھ کھاتے پیتے کیوں نہیں، سوکھتے کیوں جاتے ہو، گھی نہ ملتا ہو تو ایک دو کنستر بھجوا دوں اب تم بوڑھے ہوئے خوب ڈٹ کر کھایا کرو۔ اب تو بدن میں جو کچھ طاقت ہے وہ کھانے پینے کی بدولت ہے، میں تو اب بھی سیر بھر دودھ اور پاؤ بھر گھی اڑائے جاتا ہوں۔ ادھر تھوڑا مکھن بھی کھانے لگا ہوں تم جیسے بال بچوں کے لئے فرشتے کوئی پوچھتا ہے تمہاری کیا بات ہے اگر آج کندھا ڈال دوں تو کوئی ایک لوٹے پانی کو نہ پوچھے اس لئے خوب کھاتا ہوں اور سب سے زیادہ کام کرتا ہوں وہی جو بڑا لڑکا ہے اس پر پولیس نے ایک جھوٹا مقدمہ چلا دیا ہے اچھا خاصا پہلوان ہے، کسی سے دبتا نہیں۔ داروغہ سے ایک بار کچھ کہا سنی ہو گئی تب سے اس کی گھات میں لگے ہوئے تھے ادھر گاؤں میں ایک ڈاکہ پڑ گیا۔ داروغہ جی نے تحقیقات میں اسے بھی پھانس لیا ایک مہینے سے حراست میں ہے مقدمہ محمد خلیل صاحب ڈپٹی کلکٹر کے اجلاس میں ہے اور محمد خلیل اور داروغہ جی

کی گہری دوستی ہے۔ ضرور سزا ہو جائے گی۔ اب تم ہی بچاؤ تو اس کی جان بچ سکتی ہے ہمیں اور کوئی امید نہیں ہے۔ سزا تو ہو ہی گئی ہے۔ عزت خاک میں مل جائے گی۔ تم جا کر حاکم ضلع سے اتنا کہہ دو کہ مقدمہ جھوٹا ہے، آپ خود تحقیقات کریں۔ بس دیکھو! بچپن کے ساتھی ہو انکار مت کرنا چاہتا ہوں۔ کہ تم ان معاملات میں نہیں پڑتے اور نہ پڑنا چاہیئے۔ افسر ضلع سے تمہاری دوسری طرح کی ملاقات ہے تم کیوں ان قضیوں میں پڑو گے۔ لیکن یہ گھر کا معاملہ ہے۔ اتنا سمجھ لو اور یا لکل جھوٹا ہے نہیں میں تمہارے پاس نہیں آتا۔ لڑکے کی ماں رو رو کر جان دئے ڈالتی ہے بیوی نے اپنا دانا پانی چھوڑ رکھا ہے۔ سارے دن سے گھر میں چولہا نہیں جلا میں دودھ پی لیتا ہوں۔ لیکن دونوں ساس بہو تو بے آب و دانہ پڑی ہوئی ہیں اگر سزا ہو گئی تو دونوں مر جائیں گی میں نے بھی کہہ کر سب کو ڈھارس دی ہے کہ جب تک ہمارا بچپن کا دوست زندہ ہے کوئی ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتا"۔

میں بڑی مشکل میں پڑا میری جانب سے جتنے اعتراضات ہو سکتے تھے۔ ان کا جواب بلدیو سنگھ نے پہلے ہی دے دیا تھا۔ اگر ان کا اعادہ کرتا ہوں تو یہ سمجھ جائے گا۔ گلا نہ چھوڑے گا۔ کوئی جواب نہ سوجھا تو مجھے مجبور ہو کر کہنا پڑا کہ میں جا کر صاحب سے اس کا ذکر کروں گا۔ مگر مجھے امید نہیں ہے کہ اس کا کچھ نتیجہ ہو۔ حکام ماتحتوں کے معاملے میں بہت کم دخل دیا کرتے ہیں"۔

"تم جا کر کہہ دو نتیجہ پر ان جو ہے وہ تو ہوگا ہی"

"اچھی بات ہے۔"

"تو کل جاؤ گے۔"

"کل ہی جاؤں گا۔"

بلدیو سنگھ کو رخصت کر کے میں نے اپنا مضمون ختم کیا اور آرام سے کھانا کھا کر لیٹ میں نے بلدیو سنگھ کو جھانسا دیا تھا میں پہلے سے بتا چکا تھا۔ کہ افسر عام طور پر پولیس کا اعتبار

کرتے ہیں۔ یہ کہنے کی کافی گنجائش تھی۔ کہ صاحب نے اس معاملے میں دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔ صاحب کے پاس جانے کا میں نے خواب میں بھی خیال نہ کیا تھا۔

میں اس واقعہ کو بالکل بھول گیا تھا۔ کہ آٹھویں دن بلدیو سنگھ اپنے پہلوان بیٹے کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ بیٹے نے میرے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اور ایک کنارے کھڑا ہو گیا بلدیو سنگھ بولے "بالکل بری ہو گیا۔ بھائی صاحب نے داروغہ جی کو بلا کر خوب ڈانٹا کہ تم بھلے آدمیوں کو ستاتے اور بدنام کرتے ہو۔ اگر پھر ایسی شرارت کی تو برخاست کر دیئے جاؤ گے داروغہ بہت پشیمان ہوئے۔ جب صاحب نے اسے بری کر دیا تو میں نے داروغہ صاحب کو جھک کر سلام کیا۔ بیچارے پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ یہ تمہاری سفارش کی برکت ہے۔ اور اگر تم نے مدد نہ کی ہوتی تو ہم تباہ ہو گئے تھے۔ یہ سمجھ لو چار آدمیوں کی جان بچ گئی ہیں تمہارے پاس بہت ڈرتے ڈرتے آیا تھا۔ لوگوں نے کہا تھا کہ ان کے پاس ناحق جاتے ہو وہ بڑا بے مروت آدمی ہے۔ اس کی ذات سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا آدمی وہ کہلاتا ہے جس سے ضرورت مندوں کا کام نکلے وہ کیا آدمی ہے جو کسی کی کچھ سنے ہی نہیں۔ یہی کہے مجھ سے کیا مطلب نہیں لیکن بھائی میں نے کسی کی نہ سنی میرے دل میں میرا رام بیٹھا کہہ رہا تھا۔ کہ تم چاہے کتنے ہی روکھے اور بے مروت ہو لیکن ہم پر ضرور رحم کرو گے۔"

یہ کہہ کر بلدیو سنگھ نے اپنے لڑکے کو اشارہ کیا۔ وہ باہر گیا اور ایک بڑا سا گٹھڑ اٹھا لایا۔ جس میں انواع واقسام کی دیہاتی سوغاتیں بندھی ہوئی تھیں۔ حالانکہ میں برابر کہے جاتا تھا۔ کوئی ضرورت نہیں کوئی ضرورت نہیں۔"

مگر اس وقت بھی مجھے یہ تسلیم کرنے کا حوصلہ نہ ہوا کہ میں صاحب کے پاس گیا ہی نہیں۔ جو کچھ ہوا خود بخود ہوا۔ مفت کا احسان چھوڑنا طبیعت نے گوارا نہ کیا۔

———•———

قاتل کی ماں

(۱)

رات کو رامیشوری سوئی، تو کیا خواب دیکھتی ہے۔ کہ ونود نے کسی آفیسر کو مار ڈالا ہے اور کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ پولیس اس کی تلاش میں بے گناہوں کو زدوکوب کر رہی ہے اور تمام شہر میں شور وشر بپا ہے۔ اسی گھبراہٹ میں اس کی آنکھ کھل گئی دیکھا تو ونود سوتا تھا۔ اٹھ کر ونود کے پاس گئی۔ پیار سے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔ اور سوچنے لگی میں نے کیا بے سر پیر کا خواب دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی کچھ متفکر بھی ہو گئی۔ پھر لیٹی۔ مگر نیند نہ آئی دل میں ایک خوف سما گیا تھا۔

صبح ونود نے ماں کو متفکر دیکھ کر پوچھا "ماں! آج اداس کیوں ہو!"

ماں ونود کو محبت سے بھری آنکھوں سے دیکھ کر بولی "بیٹا تم سے کیا کہوں رات کو میں نے ایک بہت برا خواب دیکھا ہے۔ جیسے تم کسی افسر کو مار کر بھاگ گئے ہو اور بے گناہوں پہ مار پڑ رہی ہے۔"

ونود نے ہنس کر کہا "کیا تم چاہتی تھیں۔ کہ میں پکڑ لیا جاتا؟"

ماں نے کہا "میں تو چاہتی ہوں کہ تم ایسے کاموں کے نزدیک ہی نہ جاؤ۔ پکڑے جانے کا سوال ہی کیوں اٹھے۔ ہمارا دھرم ہے کہ خود جیئیں اور دوسروں کو بھی جینے دیں دوسروں کو مار کر خود جینا میرے دھرم کے خلاف ہے۔"

ونود "یہ دھرم اور نیتی کا زمانہ نہیں ہے۔"

ماں دھرم اور نیتی کو ہمیشہ فتح حاصل ہوتی ہے۔ اور آئندہ بھی ہوگی۔
سوراجیہ قتل و خون سے نہیں ملتا۔ تیاگ، تپ آتم شدی سے ملتا ہے۔ لالچ چھوڑتے نہیں، پرکسی خواہشات چھوڑتے نہیں۔ اپنی برائیاں دیکھتے نہیں، اس پر دعوی ہے۔ سوراجیہ لینے کا۔ یہ سمجھ لو جو سوراجیہ قتل و خون سے ملے گا۔ وہ قتل و خون پر ہی قائم رہے گا۔ عوام کی کوشش سے جو سوراجیہ ملے گا وہ ملک کی چیز ہوگی۔ افراد کی کوشش سے سوراجیہ ملے گا۔ وہ افراد کی چیز ہوگی اور تھوڑے سے آدمیوں کا ایک گروہ تلوار کے زور سے انتظام کرے گا۔ ہم عوام کا سوراجیہ چاہتے ہیں۔ قتل و خون کی طاقت رکھنے والے گروہ کا نہیں۔"

ونود نے کہا "تم تو سٹیج پر کھڑی ہو کر بولتی ہو۔ یہاں کون سننے والا ہے۔"

ماں نے کہا "بیٹا! تم ہنستے ہو۔ اور میرا جی دُکھی ہے کئی دن سے دائیں آنکھ برابر پھڑک رہی ہے یقیناً کوئی مصیبت آنے والی ہے۔"

ونود نے کہا "میں مصیبت سے نہیں ڈرتا۔ ابھی کونسا سکھ بھوگ رہے ہیں جو مصیبتوں سے ڈریں۔"

یہ کہتا ہوا ونود باہر چلا گیا

(۲)

آج صبح ہی سے ونود کا پتہ نہ تھا۔ معلوم نہیں کہاں گیا۔ رامیشوری نے پہلے تو سمجھا کہ کانگریس کے دفتر میں ہوگا۔ لیکن جب ایک بج گیا۔ اور وہ لوٹ کر نہ آیا تو اسے فکر ہوئی دس بجے کے بعد وہ کہیں نہ رکتا تھا۔ پھر سوچا شاید کسی کام سے چلا گیا ہو۔ رات کا خواب اسے بے چین و پریشان کرنے لگا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ بے چینی بھی بڑھنے لگی جب شام ہوگئی۔ تو اس سے نہ رہا گیا۔ کانگریس کے دفتر گئی۔

وہاں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آج ونود صبح سے ایک بار بھی نہیں آیا۔
رامیشوری کا دل کسی نامعلوم خوف سے پریشان ہوگیا۔ وہ خوابِ مجسّم بن کر اسے ڈرانے لگا۔ کچھ دیر تک وہ حواس باختہ چپ چاپ کھڑی رہی۔ پھر خیال آیا شاید گھر گیا ہوگا۔

فوراً گھر لوٹی۔ لیکن یہاں ونود کا اب تک پتہ نہ تھا۔

جوں جوں اندھیرا ہوتا جاتا تھا۔ اس کی جان خشک ہوتی جاتی اس پر دائیں آنکھ پھڑکنے لگی۔ خیالات اور بھی خوفناک صورت اختیار کرنے لگے۔ کوئی دیوی یا دیوتا نہ بچا جسکی اس نے منت نہ مانی ہو۔ کبھی صحن میں آکر بیٹھ جاتی۔ کبھی دروازے پر جاکر کھڑی ہوتی اس کا دل کسی خوف زدہ طائر کی مانند کبھی نشیمن میں بیٹھتا اور کبھی شاخ پر کھانا پکانے کا خیال کسے تھا بار بار یہی سوچتی۔ بھگوان میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے۔ جس کی سزا دے رہے ہو۔ اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف کردو۔ میں تو خود ہی مصیبت زدہ ہوں۔ اب اور برداشت کرنے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے۔"

رامیشوری سر پہ ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔ آسمان پر سیاہ بادل گھرے ہوئے تھے ننھی ننھی بوندیں پڑ رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بھی بیکس کے ساتھ کوئی رونے والا نہ دیکھ کر اس کا ساتھ دیتی ہو۔"

(۱۳)

نصفِ شب گذر چکی تھی۔ رامیشوری ابھی تک دروازے پر کھڑی ونود کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں کوئی شخص نہایت تیزی سے دوڑا ہوا آیا۔ اور دروازے پر کھڑا ہوگیا اس کے جسم پر ایک سیاہ کمبل تھا جسے اُسنے اسطرح اوڑھ لیا تھا کہ منہ کا بڑا حصہ چھپ گیا تھا۔

رامیشوری نے ڈر کر پوچھا "کون ہے؟"

وہ ونود تھا۔ جلدی سے اندر داخل ہو کر ماں سے دروازہ بند کرنے کو کہا۔ پھر آنگن میں آکر کمبل کو رکھ دیا اور کھانے کو مانگا۔"

رامیشوری نے خائف ہو کر پوچھا۔ تم آج دن بھر کہاں تھے؟ میں تمام دن تمہیں ڈھونڈتی رہی۔" ونود نے قریب آکر کہا! میں ایک نہایت ضروری کام سے گیا تھا اور ابھی پھر لوٹ جانا ہے۔ صرف تم سے یہ کہنے آیا ہوں کہ اب دو چار مہینے میں یہاں نہ رہ سکوں گا۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے وہی کیا جو میں یہاں اپنا دھرم سمجھتا تھا

حفاظت جان کی خاطر مجھے یہاں سے جانا ضروری ہے۔"

رامیشوری کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ بولی "کیوں بیٹا! تم نے وہی کیا جس کا مجھے خوف تھا۔ ایشور نے تمہاری بدھی کیوں ہر لی؟"

دلو دت نے کہا "نہ ایشور نے میری بدھی ہر لی ہے نہ مجھ پر کوئی آفت آئی ہے۔ میں نے آج چھاؤنی میں ایک آفیسر کو مار ڈالا ہے ایسا نشانہ مارا کہ ایک ہی گولی میں ٹھنڈا ہو گیا۔ ہلا تک نہیں۔"

"کیا وہاں کوئی اور نہ تھا؟"

"کوئی نہیں بالکل سناٹا تھا"

"پولیس کو خبر تو ہو گئی ہو گی؟"

"ہاں کئی شخص پکڑے گئے ہیں۔ میں تو صاف بچ نکلا۔"

رامیشوری کی حالت بدل گئی بیٹے کی محبت میں اشکبار آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ بولی "میں اسے بیٹا نہیں کہتی کہ مجرم تو منہ چھپا کر بھاگ جائے اور بے گناہ ہوں کو سزا ملے۔ تم خونی ہو مجھے نہیں معلوم تھا۔ کہ میری کوکھ سے ایسا کپوت پیدا ہو گا ورنہ پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیتی۔ اگر مرد ہے تو جا کر عدالت میں اپنا قصور تسلیم کر لے ورنہ ان بے گناہوں کا خون بھی تیرے سر پہ ہو گا۔"

یہ پھٹکار سن کر دلو دت کو غصہ آ گیا۔ بولا "تمہارے کہنے سے میں خونی نہیں ہوا جاتا اور لوگ یہی کام کرتے ہیں تو لیڈر ہو جاتے ہیں۔ ان کی جے جے کار ہوتی ہے، لوگ ان کی پوجا کرتے ہیں میں نے کیا تو ہتیارا ہو گیا؟"

رامیشوری "ہتیارا تو تو ہے ہی۔ اور جو دوسروں کی ہتیا کرتے ہیں وہ تمام کے تمام ہتھیارے ہیں تیری ماں ہو کر میں بھی باپ کی حصے دار ہو گئی میرے منہ پر بھی سیاہی لگ گئی۔ لیڈر وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کے لئے مرتے ہیں، جو دوسروں کی حفاظت

کرسے۔ وہی بہادر اور سورما ہے انہیں کا جنم مبارک ہے انہیں کی مائیں خوش نصیب ہیں۔ تجھے شرم نہیں آتی۔ کرتو خون کرکے اپنی بڑائی کر رہا ہے۔"

ونود نے پھر کمبل اٹھالیا اور بولا۔ "تم میری ماں نہ ہوتیں۔ تو اسی وقت سے لگے ہاتھ تمہارا کام بھی تمام کر دیتا۔ جیتے جی پھر تمہارا منہ نہ دیکھوں گا۔"

یہ کہتا ہوا وہ جوش میں گھر سے نکل پڑا۔

(۴)

دم بھر بعد رامیشوری بھی اسی جوش میں گھر سے نکلی۔ "بیٹا ہے تو کیا، وہ یہ ناانصافی نہیں گوارا کر سکتی۔ وہ اسی وقت کوتوالی میں جا کر اس خون کی خبر دے دے گی ونود کا پھانسی پر چڑھنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ بے گناہوں کو پھانسی ہو۔"

لیکن کچھ دور چلنے کے بعد ماں کا دل بے چین ہو گیا۔ وہ لوٹ پڑی اور گھر آ کر خوب روئی جس بیٹے کو اس نے ایسی مصیبتیں جھیل کر پالا کیا اسے پھانسی دلا دے گی۔

لیکن پھر خیال آیا ان بیچاروں کی مائیں بھی تو ہوں گی، جو بے گناہ پھانسی پا جائیں گے انہیں بھی تو اپنے بیٹے اتنے ہی پیارے ہوں گے۔ نہیں نہیں وہ یہ ظلم نہیں کر سکتی اسے بغیر بیٹے کے ہونا منظور ہے مگر اس کے دیکھتے بے گناہوں کا خون نہ ہوگا۔

رامیشوری اسی الجھن میں پڑی ہوئی تھی۔ جب کوئی راستہ نہ نظر آتا تو وہ رونے لگ جاتی تھی۔ پھر سوچتی کیوں نہ خودکشی کر لوں کہ تمام دکھوں سے نجات مل جائے لیکن اس کی موت سے ان بے گناہوں کی جان تو نہ بچے گی۔ ان ماتاؤں کا کلیجہ تو نہ ٹھنڈا ہوگا وہ اس پاپ سے تو نہ آزاد ہو گی وہ اپنے آپ ہی بول اٹھی خواہ کچھ ہو میں بے گناہوں کا خون نہ ہونے دوں گی۔ اجلاس میں جا کر صاف صاف کہہ دوں گی۔ کہ گنہگار میں ہوں کیونکہ میرے بیٹے نے یہ خون کیا ہے۔ ہم دونوں ہی قصوردار ہیں۔ دونوں کو پھانسی دیجئے میں اپنے دھرم سے منحرف نہ ہوں گی۔ خواہ میری آنکھوں کے سامنے ہی ونود کی بوٹی بوٹی

کیوں نہ کر ڈالی جائے۔ ہاں! میں اپنی آنکھوں سے اس کو پھانسی پر چڑھتا دیکھوں گی کیونکہ میں نے اس کو جنم دیا ہے۔ بھگوان! مجھے طاقت دو کہ اپنے فرض پر ڈٹی رہوں میں کمزور ہوں پاپن ہوں۔ ہتیاری ہوں

رامیشوری بے ہوش ہو کر گر پڑی

(۵)

جب رامیشوری کو ہوش آیا تو اس کا ارادہ مستحکم ہو چکا تھا۔ مگر دلی تکلیف ہو رہی تھی کیا اسی لئے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ اسی لئے پالا پوسا تھا۔ کہ ایک دن اسے پھانسی پر چڑھتے دیکھوں گی۔ ونود اس کی زندگی کا سہارا تھا۔ آج اسی ونود سے اس کا ناطہ ٹوٹ رہا تھا۔ ونود کی صورت اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ ایک دن وہ تھا۔ کہ وہ اسے چھاتی سے لگائے پھرتی تھی بڑے بڑے دکھ جھیل کر بھی خوش تھی ایک دن یہ ہے کہ وہ اسے پھانسی دلانے جا رہی ہے۔ ونود کی کتابیں اور کپڑے کمرے میں رکھے تھے اس نے ایک ایک چیز کو چھاتی سے لگایا۔ آہ! فرض کا راستہ کس قدر دشوار گذار ہے ونود کو آخری بار گلے لگانے اور اس کا آخری بوسہ لینے کے لئے اس کا دل بے چین ہو گیا کیا لڑکے کو سزا دیتے ہوئے ماں محبت چھوڑ دیتی ہے؟"

رامیشوری ونود کو سزا دینے جا رہی تھی۔ جوش محبت سے بھری ہوئی۔

(۶)

ایک ہفتہ گزر گیا۔ پولیس نے سازش کا پتہ لگا لیا۔ شہر کے دس نوجوان گرفتار کر لئے گئے انہیں میں سے ایک سرکاری گواہ بھی بن گیا اور مجسٹریٹ کے اجلاس میں مقدمہ دائر ہو گیا ونود کا اسی دن سے پتہ نہ تھا۔ رامیشوری محبت اور فرض کے درمیان اس کشتی کی مانند ڈانواڈول ہو رہی تھی جس کے اوپر طوفانی آسمان ہو اور نیچے طوفانی سمندر۔ کبھی فرض اسے کو مضبوط کر دیتا کبھی محبت دل کو کمزور کر دیتی لیکن جوں جوں دن گذرتے تھے فرض پسپا ہو جاتا تھا۔

نئی نئی دلیلیں اس کے احساس فرض کو کمزور کرتی جاتی تھیں۔ جب تمام کام ایشور کی مرضی سے ہوتا ہے تو اس میں بھی اس کی مرضی ہوگی۔ یہی سب سے زبردست دلیل تھی ان سات دنوں میں اس نے صرف پانی پی کر دن کاٹے تھے اور وہ پانی بھی آنکھوں کے راستے سے نکل جاتا تھا۔ ایسی ہوگئی تھی۔ جیسے برسوں کی مریضہ

دس بجے کا وقت تھا۔ وہ کانگریس کے دفتر کی طرف چلی۔ اسی وقت وہ روزانہ ایک بار دلو کا پتہ لینے کے لئے یہاں آیا کرتی تھی۔

ناگہاں اس نے نودس نوجوانوں کو ہتھکڑیاں پہنے ایک ایک درجن مسلح پولیس کے سپاہیوں کے بیچ میں گرفتار دیکھا۔ پیچھے تھوڑی دور پر کچھ مرد عورت، رنجیدہ کاٹے رنج دیا س کی تصویر بنے آہستہ آہستہ چلے جارہے تھے۔

رامیشوری نے دوڑ کر ایک سپاہی سے پوچھا "کیا یہ کانگریس کے آدمی ہیں؟"

سپاہی نے کہا "کانگریس والوں کے سوا انگریزوں کو کون مارے گا۔؟"

"کون مارا گیا؟"

ایک پولیس کے سارجنٹ کو ان سب نے قتل کر دیا۔ آج آٹھواں دن ہے"

"کانگریس کے آدمی ایسا نہیں کرتے"

"قصور نہ ثابت ہوگا تو آپ چھوٹ جائیں گے"

رامیشوری دم بھر وہیں کھڑی رہی پھر انہیں لوگوں کے پیچھے پیچھے کچہری کی طرف چلی۔ فرض پر نئی طاقت پاکر سنبھل گیا۔ نہیں! وہ اتنے بے قصور نوجوانوں کو موت کے منہ میں نہ جانے دیگی۔ اپنے خونی بیٹے کی حفاظت کے لئے اتنے بے گناہوں کا خون نہ ہونے دیگی۔ کچہری میں بہت بڑا مجمع تھا۔ رامیشوری نے ایک اردلی سے پوچھا کیا صاحب آگئے۔

اس نے جواب دیا "ابھی نہیں آئے آنے ہی ہوں گے۔"

"بہت دیر سے آنے ہیں بارہ تو بجے ہوں گے۔"

اردلی نے جھنجھلا کر کہا "تو کیا وہ تمہارے نوکر ہیں کہ جب تمہاری مرضی ہو آکر بیٹھ جائیں۔ بادشاہ ہیں۔ جب مرضی ہو گی آئیں گے۔"

رامیشوری چپ ہو گئی۔

اس کے پاس ہی کئی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں ایک نے پوچھا "کیوں بہن! تمہارے گھر کا بھی کوئی لڑکا پکڑا گیا ہے؟"

رامیشوری اپنی فکروں میں ڈوبی ہوئی تھی، کچھ نہ بولی۔

اس عورت نے پھر کہا "کیا کہوں" نہ جانے کس پاپی نے خون کیا۔ آپ تو منہ میں سیاہی لگا کر چھپ رہا اور ہم لوگوں کے متھے لگی۔

کچھ عورتیں رو رہی تھیں۔ رامیشوری بھی رونے لگی۔

ایک ضعیف عورت اسے سمجھانے لگی "بہن، چپ ہو جاؤ جو ہماری قسمت میں لکھا ہے وہی ہو گا۔ میرا بیٹا بالکل بے قصور پکڑا گیا ہے۔ کانگریس میں کام کرتا تھا تمہارا کون گرفتار ہے"

رامیشوری نے اسے بھی کچھ جواب نہ دیا۔ بار بار لوگوں سے پوچھتی تھی "صاحب کب تک آئیں گے؟"

دو بجے صاحب کی موٹر آئی۔ اجلاس میں ہلچل مچ گئی جوں ہی صاحب کرسی پر بیٹھے۔ سرکاری وکیل نے یہ خون کا مقدمہ پیش کر دیا۔ پولیس کے افسر آ گئے ملزم بھی سامنے کھڑے کر دیئے گئے

عین اس وقت رامیشوری نے اجلاس کے روبرو آ کر سلام کیا اور صاف لفظوں میں بولی "حضور اس مقدمے کے پیش ہونے سے پہلے میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں"

سب کے سب اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

صاحب نے اس کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا "کیا بات ہے؟"

رامیشوری "میں اس لئے آپ کے سامنے آئی ہوں کہ اس مقدمے کا سچا حال بیان کر دوں۔ سارجنٹ کا خون کرنے والا میرا بیٹا ہے۔ یہ تمام ملزم بے گناہ ہیں۔"

صاحب نے متحیر ہو کر پوچھا۔ تم اپنے ہوش میں ہو یا نہیں؟"
رامیشوری نے کہا "میں اپنے ہوش میں ہوں اور بالکل سچ کہتی ہوں۔ سارجنٹ کو میرے بیٹے نے مارا ہے۔ اس کا نام ونود بہاری ہے۔ میرے گھر میں اس کا فوٹو رکھا ہوا ہے۔ وہ اسی دن سے لاپتہ ہو گیا ہے۔ میں اپنے ہوش میں ہوں اپنے بیٹے سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے میں اسے اسی طرح پیار کرتی ہوں۔ جیسے ہر ایک بیوہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ایک ہفتہ پیشتر وہی میرا سب کچھ تھا۔ لیکن جب میرے ہر چند منع کرنے پر بھی اس نے یہ خون کیا تو میں نے سمجھ لیا میرے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس کی جان بچانے کے لئے میں اتنے گھر برباد نہ ہونے دوں گی میری ان بہنوں کو بھی تو اپنی اولاد اتنی ہی پیاری ہے انہیں بے اولاد بنا کر میں اولاد والی رہنا نہیں چاہتی۔ میں نے اصل واقعہ بیان کر دیا۔ انصاف آپ کے ہاتھ ہے۔
کمرے میں ہلچل مچ گئی۔ مرد عورت سب نے رامیشوری کو چاروں طرف سے گھیر لیا کئی عورتیں اس کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگیں۔ اپنی خوشی میں کسی کو اس بات کا خیال نہ رہا کہ اس بدنصیب کے دل پر کیا گذر رہی ہے۔ وہ بے حس و حرکت درمیان میں کھڑی تھی۔ نہ کچھ سوجھتا تھا نہ کچھ سنائی دیتا تھا۔ بس ونود کی صورت آنکھوں کے سامنے تھی۔
یکایک مجمع میں سے ایک آدمی نکل کر رامیشوری کے سامنے آیا اور اس کے سینے میں خنجر اتار دیا۔ رامیشوری چیخ مار کر گر پڑی اور حملہ آور کے چہرے کی طرف دیکھ کر چونک پڑی اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ ارے تو ہے ونود! اس کی آنکھوں سے آنسو کے دو قطرے نکلے اور آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں ✦

ختم شد

کتابت :- محمد عنایت گیلانی

فرہنگ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی

ص ۵

بیدار مغز :- ذہین
بخیل :- کنجوس
کور باطن :- بد دماغ
ٹیٹو نجیوں :- تھوڑا مال رکھنے والے دوکاندار
چکٹ جائیں :- بال جڑ جانے کو کہتے ہیں

ص ۶

سُدھ :- ہوش
گھن :- کسی چیز کو دیکھ کر نفرت سے منھ چڑانا

ص ۷

قلاپخ :- مفلس

ص ۸

دھیلے :- انگریزوں کے دور حکومت میں ایک پیسے کے دو سکے ملتے تھے
پٹتی ہے :- دوستی ہے
پانگڑو :- ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو کسی کام کا تجربہ نہ رکھتا ہو
جانگلو :- جنگلی آدمی
دھوتی چھانٹنا :- دھوتی دھونے کو کہتے ہیں

ص ۹

مہتر :- ہندوستان میں چوڑے کو کہتے ہیں یعنی بھنگی

صفحہ ۱۰

توشہ خانہ :- وہ کمرہ جس میں کپڑے رکھے جاتے ہیں

بقچی :- کپڑوں کی گٹھری

سادہ لوحی :- سچے دل کا انسان نیک طبیعت

کجروی :- غلط طور پر زندگی گزارنا

صفحہ ۱۱

سوغات :- تحفہ

ڈالی :- تہوار کے موقعہ پر تحائف دینا

فقدان :- کمی

صفحہ ۱۲

شرشٹ :- باغی

شگوفہ :- نئی بات

صفحہ ۱۳

جھنجھی کوڑی :- ایسی کوڑی جس میں چھید ہو

لچر سی بات :- بیہودہ سی بات

جولانیٔ طبع :- طبیعت تیز ہونا

برادران یوسف :- اپنے موقع پر بولتے ہیں جب اپنے ہی بھائی نقصان پہنچاتے ہیں۔

صفحہ ۱۴

لونڈا :- ہندوستان میں لڑکے کو کہتے ہیں

قلق :- افسوس

گرج پڑنا :- زوردار آواز میں بات کرنا

گریز :- قصیدہ کی ابتدا

صفحہ ۱۵

اپج :- نئی بات

تادیب :- نصیحت

شتر بے مہار :- ایسا اونٹ جس کے ناک میں رسی نہ پڑی ہو۔

صفحہ ۱۶

بلوغ :- جوان ہو جانا

مہاشے :- مذہبی بزرگ کو کہتے ہیں یہاں طنزاً کہا ہے۔

رد و قدح :- مخالفت میں بحث کرنا۔

کنیادان :- ہندوستان میں ہندو جب لڑکی کو دولہا کے ساتھ رخصت کرتے تھے تو اس رسم کو کنیادان کہتے تھے جیسے کنیا کے معنی لڑکی اور دان کے

معنی ہیں۔ خیرات میں دینا۔

شاستر:۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب

ص ۱۸

منڈپ :۔ وہ شامیانہ جس کے نیچے ہندو لڑکے اور لڑکی کا بیاہ ہوتا ہے۔

ص ۱۹

پالاگن :۔ ہندوؤں میں چھوٹے آدمی جب بڑے آدمی کو سلام کرتے تھے۔ یعنی پاؤں کو ہاتھ لگانا

خبط :۔ حد سے زیادہ بڑھا ہوا شوق ۔

اجداد :۔ باپ دادا

تقدس :۔ برتری

ص ۲۰

لجاجت :۔ شرمندگی

ص ۲۱

بشرے :۔ چہرے

استدعا :۔ درخواست

تحکم :۔ حاکمانہ لہجہ میں

ہجو :۔ حضور کو جاہل لوگ ہجو ر بولتے تھے

ڈیلی :۔ ذات

بدھوا آشرم :۔ بیوہ عورتوں کے رہنے کی جگہ

ص ۲۳

بونگا :۔ اُجڈ

عین الیقین :۔ پورے اعتماد کے ساتھ

ناپاپ :۔ ناحق یعنی فضول

ص ۲۴

فاحشہ :۔ بدکار عورت

ص ۲۴

ابلہانہ ضد :۔ بیوقوف آدمی کا کسی بات پر اڑنا۔

خمیازہ :۔ نتیجہ۔ انجام

ص ۲۵

کرپا اچھیر چھینیں :۔ سپید الٹی چادریں

بکھان :۔ تذکرہ۔ ذکر

آشیرباد :۔ دُعا

اوقات :۔ اوقات۔ رتبہ

شماتت آمیز ظرافت :۔ ایسا مذاق جس میں طنز پوشیدہ ہو۔

ص ۲۶

تریا چرتر:۔ عورتوں کی چالاکی کو کہتے ہیں۔

جس:۔ ایسی تعریف جس میں احسان مندی ظاہر ہو۔

ص ۲۷

گھانے ہیں:۔ تنفع ہیں

سٹ پٹاتی رہی:۔ گھبراتی رہی

ص ۲۹

برہم بھوج:۔ پنڈتوں کو کھانا کھلانا

ص ۳۰

بیان تیکھو:۔ اعتراض۔ برائی نکالنا

بھنڈارے:۔ باورچی خانہ

آتما:۔ روح

ص ۳۱

منزشیح:۔ ظاہر

نوید:۔ نیوتے کے طور پر

ص ۳۲

بھد:۔ بے عزتی

پنگل:۔ ہندوستان میں ہندوؤں کے یہاں مہمانوں کو کھانا کیلے یا ڈھاک کے پتوں پر کھلایا جانا ہے۔

ص ۳۳

پگنتوں:۔ دو پارٹیوں میں

ابھاگے:۔ بدقسمت

ص ۳۴

بھوج:۔ کھانے کی بڑی تقریب

ص ۳۵

دھرماتما لوگ:۔ خدا پرست آدمی

سگائی:۔ منگنی

ص ۳۷

استری دھن:۔ عورت کے حق کی مالیت

ص ۳۸

کوڑی چت پڑی:۔ پلان کے مطابق کامیابی ہونا۔

ردا:۔ کسی کے بیان کی زوردار حمایت کرنا

ناخلف:۔ والدین کے ساتھ غلط رویہ اختیار کرنے والے

ص ۳۹

تصحیح :- بات کو درست کرنا

ص ۴۰

دھنا سیٹھ :- بڑے مالدار

ص ۴۱

رشیوں :- دینی بزرگ،

مہارشی منو :- ہندوؤں کے قانون وراثت بتانے والے بزرگ

درگت :- بُری حالت

ص ۴۲

ایشور :- خدا

تناسخ :- ہندوؤں کے یہاں عقیدہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد پھر کسی دوسری شکل میں پیدا ہوجاتا ہے۔

ص ۴۳

وطیرہ :- طریقہ

انحراف :- اختلاف

بدا :- رخصت

ص ۴۴

یگیوپویت :- عقیقہ

ص ۴۵

ساون کی جھڑی :- برسات میں جب مسلسل کئی دن تک بارش ہوتی رہے

تہریا :- ہندوؤں میں وہ عورت جو برتن بغیر صاف کرے

کہارن :- ڈولی اُٹھانے والے آدمیوں کی بیوی جو اجرت پر پانی بھرا کرتی ہیں

بھگوان نے امر کر دیا ہے :- خدا نے ہمیشہ کی زندگی دیدی ہے۔

خمیازہ :- نتیجہ - انجام

کلسا :- گاگر - پانی کا برتن

ص ۵۰

دیا :- مہربانی

مہاجن :- جو لوگ سود پر روپیہ قرض دیتے ہیں

ص ۵۳

دیالو :- مہربان

ص ۵۴

نصب العین :- آئیڈیل

اولوالعزمی :۔ بلند حوصلگی

صہ ۵۵

ناستک :۔ جو خدا کو نہ مانے ۔ دہریہ

لوک میں بھی :۔ دنیا میں بھی

پرلوک میں بھی :۔ دوسری دنیا یعنی خدا کے یہاں بھی

صہ ۵۶

چھبیلا :۔ بدکردار جسکا چال چلن اچھا نہ ہو

پھوہڑ :۔ وہ عورت جس کو گھرداری کی تمیز نہ ہو۔

صہ ۵۸

چرن چھوئے :۔ پیروں کو ہاتھ لگاتا

سنک :۔ دولت کی زیادتی سے دماغ خراب ہو جاتا

صہ ۵۹

گت :۔ حالت

صہ ۶۰

منصوری :۔ ہندوستان کے ایک تفریحی پہاڑ کا نام ہے

سہاگ دررہ :۔ خاوند والی عورتیں اپنی مانگ میں رنگ بھرتی ہیں جس سے ان کا سہاگن ہونا ظاہر ہوتا ہے

ارتھی :۔ جنازہ

ابھاگن :۔ بدنصیب

صہ ۶۳

پھاگن :۔ موسم بہار

صہ ۶۵

کھانچی :۔ گھاس کی گٹھڑی

صہ ۶۶

مطلع صاف ہوگیا :۔ آسمان نظر آنے لگا

چوپال :۔ گاؤں میں چھپر جس میں باہر سے آنیوالا۔ آرام اور پناہ لے سکے۔

صہ ۶۸

تسخیر :۔ جادو

کریا کرم :۔ کفن دفن

صہ ۶۹

خفیف :۔ شرمندہ

توکل :۔ خدا پر بھروسہ کر کے زندگی گزارنا

صفحہ ۶۹

مابعد الطبیعات :۔ مرنے کے بعد کی زندگی

صفحہ ۷۰

رعد :۔ آسمانی بجلی

مہیب :۔ ڈراؤنی

ژالہ باری :۔ اولے پڑنا

کف دست :۔ ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح صاف

ٹھاکر دوارے :۔ گاؤں کے سردار کا مکان

کلس :۔ برجی

صفحہ ۷۱

عقدہ :۔ الجھن

حمیت :۔ غیرت

تعلی :۔ شیخی

صفحہ ۷۶

جھوڑ :۔ تکرار

تنک اٹھیں :۔ غصہ کرنے لگیں

ناند :۔ گائے کے پانی پینے کا برتن

صفحہ ۷۷

کایا پلٹ :۔ انسان کا یکسر بدل جانا

صفحہ ۷۹

متاہلانہ زندگی :۔ شادی شدہ زندگی

سرخوشی :۔ محبت کا سرور

ٹکٹکی :۔ کسی جانب مسلسل دیکھتے رہنا

ہیٹی :۔ بے عزتی، کسی سے کمتر ثابت ہونا

صفحہ ۸۰

نام بڑے درشن چھوٹے :۔ اپنی حیثیت سے کم ثابت ہونا۔ یعنی نام تو اونچا ہو مگر زندگی اس معیار پر نہ ہو۔

صفحہ ۸۶

حواس باختہ :۔ وہ شخص جس کے ہوش قائم نہ رہے ہوں۔

صفحہ ۸۸

اوکھد برا ہو جاتی :۔ اوکھ کا کھیت ہو کر جاتا

صفحہ ۸۹

ٹھنی ہوئی تھی :۔ مقابلہ کے لئے بہت چھڑی ہوئی تھی

دھان روپنا :۔ چاول کی کاشت کرنا یا بونا

ہلکان :۔ کام کرتے کرتے تھک جانا

تال :- تالاب

صفحہ ۹۰

جورو :- بیوی

لجانے والی :- شرم و حیا کرنیوالی

صفحہ ۹۱

عود کر آتی ہے :- از سر نو اُبھر آنا

جل :- پانی

لکشمی :- دولت کی دیوی

صفحہ ۹۲

دل دوز :- دل کو جلانے والا

گئو شالہ :- خیرات پر چلنے والا ادارہ جہاں
ایسی گائیں رکھی جاتی ہیں جو بڑھاپے
کی بنا پر دودھ نہ دے سکیں

کراہت :- نفرت۔

صفحہ ۹۳

مجرا :- طوائف کا ناچ

صفحہ ۹۴

عسرت :- تنگدستی کی زندگی

صفحہ ۹۵

انہماک :- دلچسپی۔ مصروفیت

تفاخر :- فخر کے ساتھ

آشا :- اُمید

بجرے :- ناؤ

ملہار :- برسات کے موسم میں گائے
جانے والا راگ

بارہ ماسے :- محنت کش کام کرتے ہوئے
موسم برسات میں جو گانا گاتے ہیں

صفحہ ۹۶

ترغیب آمیز :- ایسی ترغیب جس میں
نصیحت بھی شامل ہو

مہاراج :- باورچی

انواع و اقسام :- طرح طرح کے

کرکرا :- بدمزہ

صفحہ ۹۷

سنگھاسن :- دیوی دیوتا کے بیٹھنے
کی جگہ

صفحہ ۹۸

خطیر رقم :- بڑی رقم

صـ ۹۹

اقلیدس :- جیومٹری

پھلکے :- ہلکی روٹی ۔ چپاتی

صـ ۱۰۰

تشفی :- تسلی

صـ ۱۰۱

بے التفاتی :- لاپرواہی

صـ ۱۰۲

خفت آمیز :- شرمندہ

صـ ۱۰۳

سندر :- خوبصورت

حریص :- لالچی

انواع و اقسام :- طرح طرح کے

صـ ۱۰۴

فراست :- عقلمندی

سراسیمگی :- پریشانی

آماس :- سوجن

ڈپلوما :- سند

صـ ۱۰۵

متین :- سنجیدہ

صـ ۱۰۶

قاطع دوا :- ایسی دوا جو دوسری دوا کا اثر ختم کر دے

فراخ :- چوڑا

کج :- ٹیڑھی

بشرے :- چہرہ

صـ ۱۰۷

تصنع :- بناوٹ

رعشہ :- کپکپی

صـ ۱۱۱

پدنا اور پلپنا :- ہارنا اور جیتنا ۔

گوئیاں :- ساتھی کھیل کا شریک

صـ ۱۱۴

عجوبہ :- نئی چیز

صـ ۱۱۵

راب :- کھرلی جس پر گلی رکھ کر ڈنڈے سے اُڑاتے ہیں۔

صـ ۱۱۹

صہ ۱۲۰

سوانگ :- دیہاتی تھیٹر

جیل حجت :- بہانہ

صہ ۱۲۰

گرانڈیل :- بڑے جسم والے

گورے :- ولایتی سپاہی کو گورا کہتے تھے

الف ہوگیا :- ایسے موقع پر بولتے ہیں جب گھوڑا اگلے دو پیروں پر کھڑا ہوجائے۔

صہ ۱۲۲

جیجا جی :- بہنوئی کو کہتے ہیں

سفرِ جاوداں :- ہمیشگی کا سفر

صہ ۱۲۳

تصوف :- خدا سے ملانے والا علم

عارفانہ :- خدا کے پہچاننے والے کے انداز میں

ایشور :- خدا

صہ ۱۲۵

اختلاج :- دل زور زور سے دھڑکنا

صہ ۱۲۶

نفریں :- ملامت

تخلیے :- تنہائی میں

صہ ۱۲۸

کھلیان :- وہ جگہ جہاں دانے نکالتے ہیں۔

صہ ۱۲۹

مہریا :- عورت

ماہرو :- چاند جیسا چہرہ

صہ ۱۳۱

چہل :- مذاق

صہ ۱۳۳

نوشتۂ تقدیر :- قسمت میں لکھا ہُوا

پورنماشی :- چاند کی پہلی تاریخ

سینتہ نارائن :- ہندوؤں کی مقدس کتاب

کتھا :- ہندو قوم کا مقدس وعظ

مہابیر جی :- ہندو دیوتا کا نام

اشنان :- نہانا

شیوجی :- ہندو دیوتا

جل :- پانی

بھوجن :- کھانا

دھرم شالہ :- مفت مسافروں کے ٹھہرنے کی جگہ

مہورت :- وقت

آسامی :- جن آدمیوں سے لین دین ہو

ص ۱۳۴

درپئے آزار :- تکلیف پہونچانیوالا

نقب :- مکان میں دیوار توڑ کر چوری کرنے کا راستہ

آستین کے سانپ :- ایسے موقع پر بولتے ہیں جب اپنے ہی آدمی نقصان دیں۔

ص ۱۳۵

دھاوا :- حملہ

گیدڑ بھبکی :- جھوٹی دھمکی

مہاجنی :- سود بیوپار روپیہ دینے کا کاروبار کرنے والا

نخلِ بے ثمر :- بے اولاد والی عورت

ص ۱۳۶

تقویت :- ڈھارس

دھنش :- آسمان پر افق کی جانب رنگین ہوا کے دائروں کا نظر آنا

ص ۱۳۷

فاسد :- غلط

ص ۱۳۹

جوکھم :- خطر

ص ۱۴۰

لبیک :- کسی کی بات کو مان کر ہاں کہنا۔

ص ۱۴۱

ہمہ دانی :- سب کچھ جانتے ہوئے

نقرئی ظروف :- چاندی کے برتن

نادم :- شرمندہ

ص ۱۴۳

تفاخر :- شیخی

بخیل :- کنجوس

ص ۱۴۴

بھجن :- خدا کی حمد و نعت

صہ ۱۴۶

مسروقہ مال :- چوری کا مال

صہ ۱۴۷

غم نہ دارد بز بخر :- اگر کسی انسان کو کوئی
غم نہ ہو تو وہ ایک بکری خرید لے
اس کی پرورش میں بڑی تکلیف
اٹھانا پڑتی ہے۔

اہیرن :- وہ عورت جو بکری کا دودھ
فروخت کرتی ہے۔

مقر :- اقرار کرنے والا

اصابت عقل :- عقل کا صحیح ہونا

ضیق :- مصیبت

صہ ۱۴۸

ہم چخی :- شور و غل

باور :- یقین

صہ ۱۴۹

معتدل :- نہ گرم نہ ٹھنڈا

سینچی مسکردن کے آگے چھوٹا وارنڈہ

صہ ۱۵۱

کانجی ہاؤس :- سرکاری ادارہ جس میں
کسی کا جانور کسی کا اگر نقصان کرے تو
نقصان اٹھانے والا جانور کو اس
ادارہ پہنچا دیتا ہے جہاں مالک کو
جرمانہ ادا کر کے جانور چھڑانا پڑتا ہے

ذلیل :- دب کر زندگی گزارنے والا

صہ ۱۵۲

دلیل :- پولیس فوج کے آدمی کو سزا
کے طور پر کوئی زیادہ کام کرانا

صہ ۱۵۳

ٹگے :- درخت سے ٹہنیاں توڑنے کے
لئے بانس میں درانتی باندھ لیتے ہیں

صہ ۱۵۴

خود کردہ را علاجے نیست :- خود کی
غلطی کا ازالہ ناممکن ہوتا ہے۔

سینہ گرہ :- اپنی مانگ کو پورا کرانے پر
اصرار کرنا۔

کفارہ :- گناہ کا تاوان ادا کرنا۔

ص ۱۵۵

سونرگ :- جنت

اپسرا :- حور

ص ۱۵۶

گوسفند :- بھیڑ بکری

ص ۱۵۷

اعضا مفلوج ہونا :- جسم کے
مختلف حصے جب کام کرنا چھوڑ
دیں

ص ۱۵۸

مرکھنی :- سینگ مارنے والی

ص ۱۵۹

قیافہ شناس :- اندازہ لگا لینا

زمو سنے :- غیر ہمدرد۔ ظالم

ص ۱۶۱

منت کرم داشتن :- کسی پر احسان
بھی ہو جائے اپنا کچھ خرچ
بھی نہ ہو۔

بدھوا آشرم :- بیوہ عورتوں کے
رہنے کی جگہ جہاں محنت کے
عوض روٹی کپڑے اور رہنے کی
سہولت ہو۔

ص ۱۶۲

نائن :- نائی کی بیوی

تنگ ظرفی :- برا اخلاق

انبوہ :- مجمع

ص ۱۶۳

گستاخی :- نامناسب

شامت اعمال :- گناہوں کی پاداش
میں۔

دھرم پتنی جی :- بیوی

بے نوائی :- غریبی حالت

ص ۱۶۴

قمچی :- درخت کی ٹہنی جو استاد
شاگردوں کو مارنے میں کام میں
لاتے ہیں۔

ص ۱۶۵

رام رام :- ہندو لوگ سلام کرنے وقت

یہ الفاظ ادا کرتے ہیں

ص ۱۶۵

مورکھ :- جاہل۔ اجڈ

ص ۱۶۶

بال بیکا :- نقصان پہونچانا

جھانسا :- دھوکہ

ص ۱۶۷

انواع و اقسام :- طرح طرح کی مختلف چیزیں

ص ۱۶۸

دھرم اور نیتی :- حق و انصاف

سوراجیہ :- ملکی آزادی

بتاگ تپ، آتم شدھی :- پُرخلوص جدوجہد

جس میں تکلیف بھی اٹھانا پڑتی ہے۔

ص ۱۷۱

بدھی کیوں ہرلی :- دماغ خراب کردینا

کوکھ :- پیٹ

جے جے کار :- تعریفی نعرے

ص ۱۷۲

سورما :- بہادر

ص ۱۷۳

پاپن :- گناہ کرنے والی

ہتھیاری :- کسی کا خون کرنے والی

مستحکم :- مضبوط

ص ۱۷۵

اردلی :- چپراسی

پنٹر

عشرت پبلشنگ ہاؤس ہسپتال روڈ لاہور